(غزالی) محمد امام

کتاب الحقوق و کتاب الصحبة

کتاب الحقوق

و

کتاب الصدق

ترجمہ دو باب کتاب احیاء علوم الدین امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

داخل نصاب دینیات سنی انٹرمیڈیٹ کلاس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ترتیب جدید جناب مولانا شمس صاحب

نظر ثانی و اضافہ مطالب و معانی بجناب جناب مولوی حاجی محمد مقتدی خانصاحب شروانی

ناشر

ایجوکیشنل بک ہاؤس

سول لائن۔ شمشاد بلڈنگ۔ علی گڑھ

۱۹۴۷ء

کتاب الحقوق
و
کتاب الصدق

ترجمہ

دو باب کتاب احیاء علوم الدین امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

داخل نصاب دینیات سنی

انٹرمیڈیٹ کلاس

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

ترتیب جدید مولانا شمس صاحب

نظر ثانی و اضافہ مطالب و معانی من جانب مولوی حاجی محمد مقتدی خاں صاحب شروانی

شایع کردہ
ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ شمشاد بلڈنگ۔ سول لائن۔ علیگڈھ
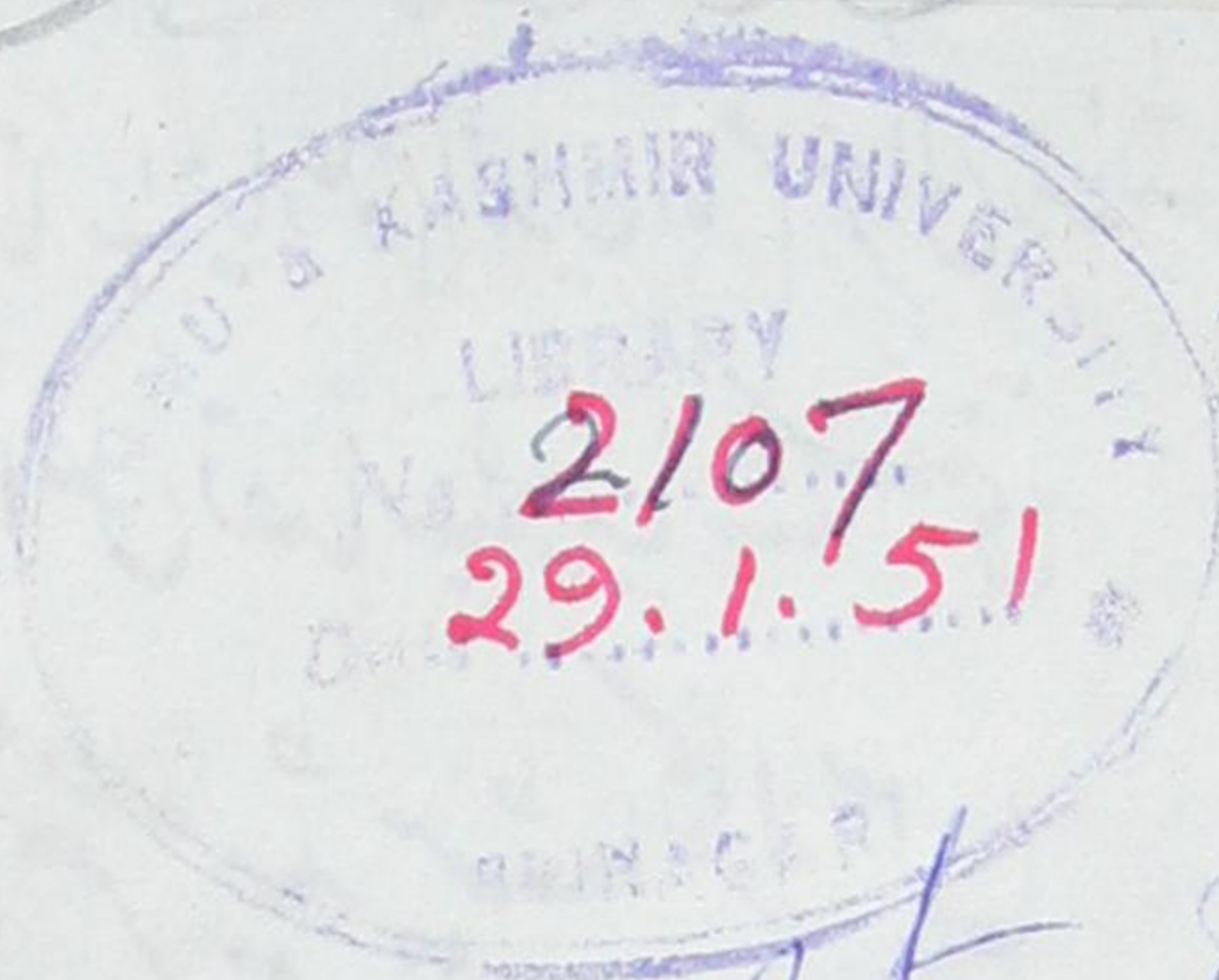
دیباچہ

کتاب الحقوق و کتاب الصدق

گذارش ناشر

یہ دونوں رسالے جو حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف کتاب احیاء العلوم کے انھیں مباحث کے دو بابوں کا ترجمہ ہیں تقریباً تیس سال سے (ایم اے او کالج کے زمانہ سے اب سلم یونیورسٹی کے دور تک) ایف اے کے سُنّی دینیات کے نصاب میں داخل ہیں۔

سب سے پہلے ان کا ترجمہ عربی سے اردو میں ماسٹر سید سعادت علی خانصاحب آصف آبادی ایم اے مرحوم ہیڈ ماسٹر ایم اے او کالجیٹ اسکول نے سنہ ۱۹۱۶ء میں کر کے چھپوایا اور داخل نصاب کرایا تھا اور اب تک بدستور اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اگرچہ گذشتہ تیس ۳۰ سال کے اندر یہ رسالے بار بار بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں چھپے اور شائع ہوئے ہیں اور کثیر التعداد طالب علموں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن ان میں کثرت سے ایسے الفاظ اب بھی موجود ہیں جن کے معنی و مفہوم بتانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے بھی طلباء کو آگاہ کیا جائے اور کتاب احیاء العلوم کو بھی اُن سے متعارف کرادیا جائے۔

میری درخواست پر مولانا شمس صاحب بریلوی نے یہ چیزیں مرتب فرمائی ہیں اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے ان پر نظرِ ثانی کی ہے۔

امام صاحب کی حیات اور احیاء العلوم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ علامہ شبلیؒ مرحوم کی مشہور کتاب الغزّالی سے کلیتہً لفظاً لفظاً ملتقط ہے۔ اور ایسے مواقع شاذ ہی آئے ہیں جہاں اس کلیہ سے عدول ہوا ہو۔ "والشاذ کالمعدوم"

خود الفاظ "حق" اور "صدق" کی جو تشریح کردی گئی ہے اور حقوق کا جو ضمیمہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کی نہایت مفید و مقبول کتاب "الایمان" سے لیکر بڑھا دیا گیا ہے، یقیناً وہ بھی فائدہ سے خالی نہ پایا جائے گا۔

طلبار کے اوقات فرصت اور موجودہ دور کی دشواریوں کا لحاظ کرکے حتی الامکان ہر ضمن میں اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ واللّٰہ المستعان اور علیہ التکلان۔

خادم

محمد عبدالشہید

امام غزالی علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات

نام محمد حجۃ الاسلام لقب، غزالی عرف ہے۔

ولادت امام صاحب سنہ ۴۵۰ھ میں مقام طاہران ضلع طوس علاقہ خراسان میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ "غزال" یعنی رشتہ فروش تھے۔ اس مناسبت سے ان کا خاندان "غزالی" کہلاتا تھا اور اسی سے امام صاحب معروف ہوئے۔ عربی میں "غزل" کے معنی کاتنے کے ہیں اور جو نسبت کا قاعدہ ہے اُس کی رو سے غزال کافی تھا (یعنی کاتنے کا پیشہ رکھنے والا) لیکن خوارزم اور جرجان وغیرہ میں نسبت کا یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ وہاں عطار کو عطاری اور قصار (دھوبی) کو قصاری کہتے ہیں۔

تعلیم امام صاحب کی تعلیم اور اُس کے ثمرات اور اُن کے خاندانی پیشے کے ذکر میں یہ بیان کرنا یقیناً ناموزوں نہ ہوگا کہ اُس زمانہ میں (بلکہ اُس سے پہلے سے) مسلمانوں میں تعلیم اس قدر عام ہو گئی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ پیشے والے بھی تعلیم سے محروم نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ان میں ایسے ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے جن کو آج ہم امام اور علامہ کے لقب سے پکارتے ہیں۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ بزاز تھے، شمس الائمہ حلوائی تھے، امام ابو جعفر کفن دوز تھے، علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے، وغیرہ وغیرہ۔ اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ تعلیم کی بدولت خود یہ پیشے ذلیل نہیں رہے تھے۔ بڑے بڑے علماء یہ یا اسی قسم کے اور پیشے اختیار کرتے تھے اور انہی پیشوں کے انتساب سے اُن کا نام لیا جاتا تھا۔

نظر کو اور بلند کیجئے تو معلوم ہو گا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور پیغمبران علیہم السلام نے بھی بھیک مانگے ہیں۔ امام صاحب کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے جب مرنے لگے تو انہوں نے امام صاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور کہا کہ مجکو نہایت افسوس ہے کہ میں لکھنے پڑھنے سے محروم رہ گیا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکوں کو تعلیم دلائی جائے تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے۔

چنانچہ اُن بزرگ نے امام صاحب اور اُن کے بھائی کو تعلیم دلانی شروع کی۔ لیکن صرف ابتدائی مراحل ہی طے ہوئے تھے کہ تعلیم کا سامان نہ رہا اور باپ کا متروکہ سرمایہ ختم ہو گیا۔ اب اُن ہمدرد بزرگ کے مشورے سے دونوں بھائی ایک مدرسہ میں داخل ہو گئے۔

اُس زمانہ کے مدارس

اس زمانہ تک اگرچہ باقاعدہ مدارس بہت کم تھے لیکن خانگی درس گاہیں نہایت کثرت سے تھیں۔ بڑے بڑے نامور علماء اور ائمۂ فن اپنے گھروں یا مساجد میں تعلیم دیتے تھے اور اُن کے حلقۂ درس کے طلباء کے ہر قسم کے مصارف کا بندوبست شہر کے امراء اور رؤساء کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ اس بناء پر ہر شخص (وہ کیسا ہی کم مقدور ہو) اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ آج کل ہمارے ملک میں بظاہر تعلیم عام ہے لیکن اس قدر گراں ہے کہ کم مایہ لوگ اس سے بہت ہی کم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

ایک حادثہ کا فائدہ

امام صاحب نے اپنے وطن سے باہر بھی بڑے بڑے فضلاء روزگار سے تعلیم حاصل کی۔ اُس زمانہ میں درس کا یہ قاعدہ تھا کہ اُستاد مطالب علمیہ پر جو تقریر کرتا تھا شاگرد اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے۔ اُن یادداشتوں کو "تعلیقات" کہتے تھے۔ امام صاحب نے بھی تعلیقات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ ایکبار وطن کو واپس آ رہے تھے کہ ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کا سارا سامان مع اُن تعلیقات

کے لٹ گیا جس کی وجہ سے امام صاحب کو نہایت صدمہ ہوا۔ مگر ہمت کر کے ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے سارے اسباب و سامان میں سے صرف اُس مجموعہ کو مانگتا ہوں، کیونکہ میں نے اُسی کی خاطر سے یہ سفر کیا تھا۔ یہ درخواست سُن کر سردار ہنس پڑا اور بولا کہ تم نے خاک سیکھا کہ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے۔ تاہم وہ کاغذ واپس دے دیئے۔ مگر امام صاحب پر اس طعن کا یہ اثر ہوا کہ وطن پہونچ کر پورے تین برس صرف کر کے وہ تمام تعلیقات زبانی ازبر کر لیں اور اُن مسائل کے حافظ بن گئے اور اُنکی علمی قابلیت اس حد کو پہونچ گئی کہ معمولی علماء اُن کی تشفی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے تکمیل علوم کے لئے پھر وطن سے نکلے۔

تکمیل تعلیم

تمام ممالک اسلامیہ میں علوم و فنون کے دریا بہہ رہے تھے۔ ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مدرسوں سے معمور تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں سینکڑوں علماء موجود تھے اور ہر عالم کی درس گاہ بجائے خود ایک مدرسہ تھا لیکن ان سب میں دو شہر علم و فن کے مرکز تھے، نیشاپور اور بغداد، کیونکہ یہاں دو بزرگ تعلیم دیتے تھے جو اُستاذ الکل تسلیم کئے جاتے تھے۔ امام الحرمین نیشاپور میں اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی بغداد میں۔ چونکہ نیشاپور وطن سے قریب تھا اس لئے امام صاحب وہیں پہونچ کر امام الحرمین کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

امام الحرمین کے حلقۂ درس میں صدہا طلباء تعلیم پاتے تھے جن میں تین سب میں ممتاز تھے اور ان میں ایک امام غزالی تھے اور وہ اپنے ان دو خواجہ تاشوں سے بھی فائق تھے اسی لئے استاد ان کو "دریائے ذخار" کہا کرتے تھے اس زمانہ میں نامور علماء کے یہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تھے تو شاگردوں میں جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالبعلموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا یہ منصب جس کو حاصل ہوتا تھا اُس کو "معید" کہتے تھے۔ چنانچہ امام الحرمین کے درس

میں امام صاحب ہی کو "معید" کا منصب حاصل تھا (مُعید کے معنی ہیں دُہرانے والا)

امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ امام صاحب نے استاد کی زندگی ہی میں شہرت عام حاصل کر لی تھی اور صاحب تصنیف ہو چکے تھے۔ تاہم استاد کی حیات میں ان کی صحبت سے الگ نہ ہوئے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد جب نیشاپور سے نکلے تو اس شان کے ساتھ کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، حالانکہ اسوقت انکی عمر صرف ۲۸ سال کی تھی۔

علما کے رسوخ کا اثر

امام صاحب کا مزاج ابتدا میں جاہ پسند تھا۔ امام الحرمین کی صحبت میں انھوں نے علماء کی قدر و منزلت کا جو سماں دیکھا اُس نے اُن کی طبیعت میں اس ولولے کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔ ان کے سامنے یہ واقعہ گزرا تھا کہ جب علامہ ابو اسحٰق شیرازی خلیفۂ عباسی کی طرف سے سفیر ہو کر بغداد سے نیشاپور کو چلے تو جس جس شہر میں اُن کا گزر ہوتا تھا شہر کا شہر استقبال و مشایعت کرتا تھا۔ دوکاندار اپنا اسباب سامان اور صرّاف روپے اور اشرفیاں ان کے قدموں پر لٹاتے تھے۔ نیشاپور پہنچے تو خود امام صاحب کے استاد (امام الحرمین) اُن کا غاشیہ اپنے کاندھے پر رکھ کر چلے۔ اُن کے زمانے کا سلجوقی خاندان کا مشہور وزیر نظام الملک طوسی خود صاحب علم و فضل ہونے کے باوجود اہل فضل و کمال کا بہت بڑا قدردان تھا۔ ابو علی فارمدی اُس کے دربار میں آتے تو ہمیشہ اُن کے لئے مسند خالی کرتا، امام الحرمین اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی کا نہایت ادب کرتا اور ہمیشہ کھڑا ہو کر تعظیم دیتا تھا۔

غرض جاہ و منصب کی اُمید میں امام غزالی نے درسگاہ سے نکل کر نظام الملک کے دربار کا رخ کیا۔

نظام الملک کے دربار میں رسائی اور رسوخ

چونکہ امام صاحب کی علمی شہرت دور دور پہونچ چکی تھی۔ نظام الملک نے

نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ اُن کا استقبال کیا۔

اُس وقت فضل وکمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا وہ علمی مناظرات تھے۔ رُوسار اور امراء کے دربار میں علماء وفضلاء کا مجمع ہوتا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگو ئیں ہوتیں، اور جو شخص زورِ تقریر سے حریفوں کو بند کر دیتا وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس طریقہ کو اسقدر وسعت ہوئی کہ رفتہ رفتہ مناظرہ خود ایک فن بن گیا اور آج اس پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔

امام صاحب نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سینکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا نظام الملک نے مناظرے کی مجلسیں منعقد کیں متعدد جلسے ہوئے اور مختلف علمی مضامین پر بحثیں رہیں ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو اور بھی زیادہ چمکا دیا اور تمام اطراف دربار میں اس کے چرچے پھیل گئے نظام الملک نے ان کو نظامیہ کی مسند درس کے لئے انتخاب کیا۔ امام صاحب کی عمر اس وقت ۳۴ برس سے زائد نہ تھی۔ اس عمر میں نظامیہ کی صدارت کا حاصل ہونا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کبھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

سلطنت میں رسوخ

یہ واقعات ۴۸۴ھ کے ہیں۔ نظامیہ کی مسند درس کو زینت دینے کے بعد تھوڑے ہی دن میں اُن کے علم وفضل کا یہ اثر ہوا کہ ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے، بلکہ ایک مؤثق روایت کے بموجب اُن کے جاہ وجلال نے وزراء اور امراء کو بھی دبالیا، یہاں تک کہ سلطنت کے اہم اور عظیم الشان معاملات اُن کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پا سکتے تھے اس زمانہ میں اسلام کی شان وشوکت کے دو مرکز تھے۔

سلاجقۂ خراسان۔ اور عباسیہ بغداد، امام صاحب دونوں درباروں میں نہایت معزز ومحترم تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خود فرماتے ہیں۔

"بست ۲۰ سال مدد ایام سلطان شہید (یعنی ملک شاہ سلجوقی) روزگار گذاشتو اندر اصفہان و بغداد اقبالہا دید و چند بار میان سلطان و امیر المومنین رسول بود درکار ہائے بزرگ۔"

علمی پایہ

حکومت و خلافت کے تعلقات کی حالت (جو اوپر بیان ہوئی) اسی کے ساتھ علمی پایہ یہ تھا کہ اُن کے درس میں معمولی طلبا کے علاوہ تین تین سو مدرس اور سو سو امرا و رؤسا حاضر ہوتے تھے۔ درس کے علاوہ وعظ بھی فرماتے تھے، یہ وعظ بھی درحقیقت علمی لکچر ہوتے تھے۔ امام صاحب کے شاگرد نہایت کثرت سے تھے۔ ان میں سے بعض بڑے نامور گزرے ہیں، چنانچہ محمد بن تومرت (جس نے اندلس میں خاندان تاشقین کو مٹا کر ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی) امام صاحب ہی کا شاگرد تھا۔

تصنیفات

تصنیفات کے لحاظ سے امام صاحب کی حالت نہایت حیرت انگیز ہے۔ انھوں نے کل ۵۴، ۵۵ برس کی عمر پائی گیارہ برس صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گزرے، درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا فقر و تصوف کے مشغلے جدا، دور دور سے جو فتاوے آتے اُن کا جواب لکھنا الگ۔ بایں ہمہ سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں اور گوناگوں مضامین پر ہیں جو تصنیف ہے اپنے باب میں بے نظیر ہے۔

امام صاحب اخیر میں اگرچہ بالکل عابد مرتاض اور شب و روز مجاہدات اور ریاضات میں بسر کرتے تھے، تاہم تصنیف و تالیف کا مشغلہ بالکل ترک نہ ہوا۔ اصول فقہ میں مستصفی (جو ان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے) ۵۰۳ھ کی ہے جس سے ایک برس بعد امام صاحب نے انتقال کیا۔

امام صاحب کی تصنیفات اور یورپ

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ امام صاحب

کی تصنیفات کے ساتھ جو اعتنا یورپ نے کی خود مسلمانوں نے نہیں کی۔ بے شبہ مسلمانوں نے امام صاحب کی اکثر تصنیفات پر شروح و حواشی لکھے۔ لیکن یہ التفات اور قدردانی صرف اُن تصنیفات کے ساتھ محدود رہی جو فقہ، اصول فقہ اور تصوف، و اخلاق کے متعلق تھیں۔ عقلیات میں جو اُن کی معرکہ آرا تصنیفات ہیں اور جہاں آکر اُن کا اصلی جوہر کھلتا ہے اُن کو کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، بلکہ اس قسم کی کتابوں کو ہمارے علماء اُن کی طرف منسوب بھی نہیں ہونے دیتے۔

برخلاف اس کے یورپ نے اُن ہی کتابوں کو بڑے اہتمام سے محفوظ رکھا۔ جن میں امام صاحب نے فلسفہ اور شریعت کے اصول میں باہم تطبیق دی تھی اور عقلیات کے مسائل کو اپنے خاص پیرائے میں ادا کیا تھا۔ ان کے مختلف یورپین زبانوں میں نہ صرف ترجمے ہوئے ہیں بلکہ ان پر حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔ اور قدیم علمی زبانوں (عبرانی اور لاطینی) میں بھی اُن کے ترجمے ہوئے ہیں۔

ترک تعلقات اور عزلت و سیاحت

امام صاحب کے ترک تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں خلاصہ یہ کہ علماء اور ارکان سلطنت کو جب امام صاحب کے اس ارادہ کی خبر ہوئی تو سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا، لیکن امام صاحب سب چھوڑ چھاڑ دفعتہً کھڑے ہو گئے اور بغداد سے نکل کر شام کی راہ لی اور دمشق پہنچ کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ خلوت و ریاضت کا طریقہ تو امام صاحب نے تصوف کی کتابوں سے سیکھ لیا تھا۔ لیکن چونکہ تصوف محض علم ہی نہیں بلکہ زیادہ تر عملی ہے اس لئے انھوں نے بیعت بھی کی اور مورخین کا اتفاق ہے کہ اُن کے شیخ ابو علی فارمدی تھے جو بڑے پایہ کے صوفی تھے۔ نظام الملک اُن کا اس درجہ احترام کرتا کہ اُن کے لئے اپنی مسند چھوڑ کر مؤدب

سامنے بیٹھتا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ اور علماء تو میرے منہ پر میری تعریفیں کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب سے مجھ کو مطلع کرتے ہیں دو برس کے بعد دمشق سے بیت المقدس چلے گئے جس کا سبب علامہ ذہبی نے یہ لکھا ہے کہ ایک دن امام صاحب نے ایک مدرس کو (جو امام صاحب کو پہچانتا نہ تھا، سلسلۂ تقریر میں یہ کہتے سنا کہ "غزالی نے یہ لکھا ہے"۔ امام صاحب اس خیال سے کہ یہ امر عجب و غرور کا سبب ہوگا اسی وقت دمشق سے نکل کھڑے ہوئے اور بیت المقدس پہنچ گئے۔ دس برس تک مسلسل متبرک مقامات میں پھرتے رہے۔ اکثر ویرانوں میں نکل جاتے اور چلے کھینچتے۔

۴۹۹ھ میں جب مقام خلیل میں پہنچے تو حضرت ابراہیمؑ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر عہد کیا کہ:-

(۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔

(۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا۔

(۳) کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا۔

مرتے دم تک ان باتوں کے پابند رہے۔ البتہ محض دفع شر اور دوسروں کے لئے دفع ضرر کی خاطر بجبر و اکراہ بادشاہ کے دربار میں گئے تو نہایت بیباکی کے ساتھ ایک طول طویل تقریر کی جس کے آخر میں کہا کہ:-

"طوس کے لوگ پہلے ہی بد انتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے، اب سردی اور قحط کے سبب سے بالکل برباد ہو گئے اُن پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا۔ مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی طوق ہائے زرّیں کے بار سے۔

میں بارہ برس سے گوشہ نشین ہوں مگر مجھ سے یہاں آنے کے لئے اصرار کیا گیا۔

ہیں نے کہا کہ یہ وہ وقت ہے کہ کوئی شخص ایک بات بھی سچ کہنی چاہے تو زمانہ اُس کا دشمن بن جاتا ہے۔ لیکن مجھ سے کہا گیا کہ بادشاہ وقت عادل ہے۔"

بادشاہ پر امام صاحب کی تقریر کا بے حد اثر ہوا۔

وفات امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

پیر کے دن صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا :-

"آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔" یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔ امام صاحب کی وفات کا تمام اسلامی دنیا نے ماتم کیا۔

احیاء العلوم

یہ کتاب جس کے دو بابوں (۱) کتاب الحقوق اور (۲) کتاب الصدق کا ترجمہ اس رسالہ کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے۔ امام صاحب کی ایک نہایت مقبول و مشہور تصنیف ہے۔

اسلام اور فن اخلاق اسلام میں اخلاق کا فن پند و موعظت کی حیثیت سے تو خود اسلام کے ساتھ آیا لیکن فلسفیانہ طرز پر اس کی ابتدا اُس زمانہ سے ہوئی جب یونانی علوم و فنون کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ ارسطو نے علم اخلاق میں دو کتابیں لکھی تھیں جنہیں ابن اسحٰق نے عربی میں

اُن کا ترجمہ کیا۔ ارسطو کی ایک اور کتاب جو خاص فضائل نفس پر تھی اس کو ابو عثمان دمشقی نے عربی زبان میں منتقل کیا۔ جالینوس نے بھی بعض فضائل اخلاق پر ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کا بھی ترجمہ عربی میں ہوا۔

ان ترجموں کی مدد سے حکمار اسلام نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھیں جن میں سے زیادہ تر قابل ذکر ابو نصر فارابی، بو علی سینا اور ابن مسکویہ کی تصنیفات ہیں۔ مگر یہ تمام تصنیفات فلسفیانہ انداز پر تھیں مذہب سے ان کو کوئی لگاؤ نہ تھا۔

مذہبی طریقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ابو طالب مکی اور راغب اصفہانی کی تصنیفات زیادہ مشہور رہی ہیں۔

احیار العلوم کی ضرورت

یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب فن اخلاق کا اسقدر معتد بہ ذخیرہ موجود تھا اور بڑے بڑے باکمال لوگ اس پر اپنے دل و دماغ کو صرف کر چکے تھے تو امام صاحب کو اسکی طرف توجہ فرمانے کی کیا ضرورت داعی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب سے پہلے جو تصنیفات اس فن کے متعلق موجود تھیں اُن میں قبولِ عام اور رواج تام کی صلاحیت نہ تھی جو تصنیفات فلسفیانہ انداز پر لکھی گئی تھیں اُن میں یہ نقص تھا کہ اپنی مشکل پسندی کی وجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہ تھیں اور مذہبی پیرایہ نہ رکھنے کے سبب عام رواج نہیں پاسکتی تھیں، نیز یہ کہ اُن میں بہت سے مسائلِ اخلاق سرے سے مذکور ہی نہ تھے اور جو مذکور تھے وہ نہایت مجمل تھے۔ مذہبی طرز کی تصنیفات میں فلسفہ و عقلیات کی چاشنی بالکل نہ تھی۔ اس لئے حکماء و ارباب معقول اُن سے لطف اٹھا نہیں سکتے تھے، بلکہ مذہبی گروہ میں بھی جو لوگ دقیق النظر اور دقت پسند تھے ان کو یہ تصنیفات پھیکی معلوم ہوتی تھیں۔

امام صاحب نے فلسفہ و مذہب اور معقول و منقول سمو کر احیاء العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقص پورے کر دیئے اور وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف تو ائمۂ اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے اور دوسری طرف ہنری لوئس جیسے ماہر تاریخ فلسفہ نے اعتراف کیا کہ اگر ڈیکارٹ (جو یورپ میں اخلاق کے فلسفہ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے) اس کے زمانہ میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے[له]۔ ارباب ذوق نے اس کتاب کو تعویذ کی طرح گلے سے لگایا اور آسانی اور تخفیف مئونت کے لئے علماء نے اس کے خلاصے لکھے تاکہ ہر شخص سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھ سکے۔

احیاء العلوم کی خصوصیات

(١) احیاء العلوم کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھتا ہے، ہر بات جادو کی تاثیر کرتی ہے، ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی خود امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے، اور اس سے پہلے کی تمام تصنیفات کو احیاء العلوم سے وہی نسبت ہے جو قطرہ کو گوہر سے، سنگ کو آبگینہ سے، کاسۂ سفالی کو جام جم سے ہے۔

(٢) امام صاحب نے احیاء العلوم میں حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ نباہا ہے۔ اس میں یہ خاص کرامت ہے کہ جس مضمون کو ادا کیا ہے باوجود سہل پسندی اور عام فہمی اور دلآویزی کے فلسفہ و حکمت کے معیار سے کہیں اترنے نہیں دیا۔

له۔ ممکن ہے ڈیکارٹ نے اپنی پڑوسی ہسپانوی زبان کے ترجمہ سے استفادہ کیا ہو کیونکہ البتہ یورپ میں عربی علوم و فنون اسپین ہی کے راستہ سے پہنچے ہیں۔ — مترداقی

یہی سبب ہے کہ امام رازی سے لے کر ہمارے زمانہ کے سطحی واعظ تک اس کا یکساں لطف اُٹھاتے ہیں۔

(۳) امام صاحب کے زمانہ تک دستور تھا کہ فلسفہ اور متعلقات فلسفہ پر جو کچھ لکھا جاتا۔ عموماً پیچیدہ اور دقیق عبارت میں لکھا جاتا اور فلسفہ گویا ایک طلسم معلوم ہوتا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ فلسفہ کے مسائل خود دقیق ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اکثر لوگ ان کو سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ تیسرے یہ کہ ہر مصنف کا کام بھی نہیں ہے کہ وہ پیچیدہ مسائل کو آسان عبارت میں ادا کر سکے اور شاید یہ معلوم کرکے تعجب ہو کہ بعض اکابر فلاسفہ کا یہ خیال ہے کہ فلسفہ کو عام فہم نہیں کرنا چاہیئے۔ فلسفہ کے اور اقسام کی بہ نسبت فلسفۂ اخلاق آسان اور سریع الفہم ہے، تاہم امام صاحب کے زمانہ تک اخلاق پر بھی جو کتابیں لکھی گئیں اشکال سے خالی نہ تھیں۔ امام صاحب سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے فلسفہ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کیے کہ دقیق سے دقیق نکتے افسانہ اور لطائف بن گئے۔ ایک ہی مضمون کو امام صاحب سے پہلے کی کسی کتاب میں دیکھو، تم کو غور و فکر اور خوض سے کام لینا پڑے گا اور باوجود اس کے زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ کتاب کا مطلب سمجھ میں آجائے۔ بخلاف اس کے احیاء العلوم میں یہ بھی معلوم نہ ہو گا کہ یہ کوئی علمی کتاب ہے بلکہ تم قصہ کی طرح اُس کو پڑھتے چلے جاؤ گے، اور مضمون کی نسبت صرف یہی نہیں ہو گا کہ تم اُس کو سمجھ جاؤ بلکہ دل پر اس کی کیفیت طاری ہو گی۔ اور تم سراپا اثر میں ڈوب جاؤ گے۔

(۴) اخلاق کی تعلیم میں ایک بہت بڑی غلطی ہمیشہ سے یہ ہوتی آئی ہے کہ

---

[1] ارسطو (۳۸۴ سنہ – ۳۲۲ ق م) تک تمام فلاسفہ کا یہی اصول تھا ارسطو نے فلسفہ کو گو نہ عام فہم کیا اسی سبب سے وہ "معلم اول" کہلاتا ہے فارابی اور بوعلی سینا نے سہل تر کیا اسی لیے وہ معلم ثانی و معلم ثالث کہلاتے ہیں۔ شروانی

اختلاف طبائع کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ کسی معلم اخلاق کو اگر تجرد پسند ہے تو وہ چاہیگا کہ تمام عالم تارک الدنیا ہو جائے دوسرے کے نزدیک اگر معاشرت زیادہ مفید ہے تو اس کی خواہش ہو گی کہ سب اسی قالب میں ڈھل جائیں چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف ہیں۔ اس لئے اِس قسم کی یک طرفہ تعلیم کا اثر ایک قسم کی طبائع تک محدود رہ کر باقی دوسروں کے حق میں بیکار ہو جاتا ہے۔ اِس نکتہ کو (جو درحقیقت اصل اصول اسلام کے عین مطابق ہے) سب سے پہلے امام صاحب نے سمجھا اور وہ اپنی تعلیم میں کامیاب ہوئے۔

(۵) امام صاحب نے اپنی تعلیم اخلاق کی بنیاد اگرچہ تمام تر مذہب پر رکھی ہے (اور اسی وجہ سے ہر عنوان کی ابتدا میں روایاتِ شرعیہ سے استنفاد کرتے ہیں) لیکن اسی کے ساتھ اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کے کون سے افعال رسالت کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے عام انسانی معاشرت اور عادت کی حیثیت سے مثلاً :-

آداب طعام آداب طعام میں جہاں کھانے کے قاعدے لکھے ہیں حضرت انسؓ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صندلی پر رکھ کر نہیں کھایا۔ پھر قدماء سلف کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ چار چیزیں بدعت ہیں :-

(۱) کھانے کی میز یا صندلی (۲) چھلنی (۳) اُشنان (۴) پیٹ بھر کھانا۔ ان اقوال کے بعد لکھتے ہیں کہ گو دستر خوان پر کھانا اچھا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میز یا صندلی پر کھانا مکروہ یا حرام ہے۔ کیونکہ اس قسم کا کوئی حکم شریعت میں وارد نہیں۔ یہ کوئی کلیہ نہیں کہ ہر ایجاد بدعت ہے۔ حالات کے اقتضاء کے موافق بعض ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں صفائی اور نفاست ہے اور اُشنان سے ہاتھ دھونے میں تو اور زیادہ صفائی ہے۔

قدیم و جدید معیار اخلاق

ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متواضع ہو، حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے سخت بات پر غصہ نہ لائے، لہو ولعب سے محترز ہو، شرمگیں ہو، قناعت پسند ہو، متوکل ہو، مجلس میں بیٹھے تو چپ بیٹھے، بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے ہر شخص سے جھک کر ملے۔ اس کے مقابلہ میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی عمدگی کا یہ معیار ہے کہ انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرت مند ہو، باحوصلہ ہو، پرجوش ہو، مہمات امور پر نظر رکھے، ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ سے لطف اٹھائے۔ دونوں قسم کے مذکورہ بالا اوصاف اپنی اپنی جگہ قابل مدح ہیں۔ لیکن اول قسم کا میلان پست ہمتی اور دوسری کا بلند حوصلگی کی طرف ہے اور اگر کسی قوم میں صرف پہلی قسم کے اوصاف پائے جائیں تو وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی۔ احیاء العلوم میں محاسن اخلاق کی جہاں تشریح کی ہے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اخلاق کا پلہ رہبانیت، افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پائے۔

تربیت اطفال

بچوں کی ابتدائی تعلیم میں سیر، ورزش جسمانی اور مردانہ کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے

کم خوری و پرخوری

کم خوری کی جہاں خوبیاں لکھی ہیں، لکھتے ہیں کہ ہم نے بھوکے رہنے کے جو فضائل بیان کئے ہیں ان سے عام لوگ یہ خیال کریں گے کہ اس میں افراط کرنا ممدوح و پسندیدہ ہے، لیکن عاقل سمجھے گا کہ اصلی غرض اعتدال ہے، کیونکہ طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ کھایا جا سکے کھانا چاہیئے۔ دوسری طرف بھوکے رہنے کی فضیلت پر کاربند ہو تو اس صورت میں دونوں میلانوں کے باہم متضاد ہو کر اعتدال پیدا ہو جائے گا۔

اصلاح اخلاق

اخلاق کے قابل اصلاح ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ قوت غضبیہ کا

زائل کرنا تہذیب اخلاق میں داخل نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ سچی حمیت و خودداری پیدا ہو یعنی نہ بزدلی ہو نہ تہور۔ غصہ بالکل زائل کرنا کیونکر مقصود ہو سکتا ہے جبکہ خود انبیا علیہم السلام غصہ اور غضب سے خالی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی ناگوار بات کی جاتی تو اس کی ناگواری فوراً آپ کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو جاتی پیشانی مبارک پر شکن پڑ جاتی یا رگ ہاشمی ابھر آتی یا آواز بلند ہو جاتی یا چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ ہو جاتا یا دوران تقریر میں آپ اپنے ہاتھ اتنے بلند فرماتے کہ بغلوں کا اندرونی حصہ نظر آنے لگتا۔ البتہ سخت سے سخت غصہ کی حالت میں بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی بے جا بات نہیں نکلتی تھی اور نہ کوئی نازیبا فعل سرزد ہوتا تھا۔ اسی لئے خداوند تعالےٰ نے "کاظمین الغیظ" (غصہ پینے والے) فرمایا ہے "فاقدین الغیظ" (غصہ بالکل ہی نہ لانے والے) نہیں فرمایا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا) ایک شرعی حکم ہے اس کی نسبت علما کی یہ رائے ہے کہ صرف وہ شخص جو سلطان وقت کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہے اس کام کا مجاز ہے۔ لیکن امام صاحب نے نہایت زور کے ساتھ اس رائے کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ بری بات پر گرفت کرے، البتہ احتساب کے متعدد درجے ہیں: تجسس، اعلام، وعظ و پند، زجر و توبیخ، دفع بالید، تہدید و تخویف، زدوکوب۔ لیکن یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کس کے مقابلہ میں کونسا طریقہ مناسب ومفید ہوگا۔ یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ بجائے اصلاح کے فساد پیدا ہو اور فتنہ اٹھے۔ مثلاً ماں باپ، استاد، آقا، اور حاکم وقت کے مقابلہ میں صرف مناسب موقع اور ادب واجب کے ساتھ اعلام اور وعظ و پند سے کام لینا چاہیئے

توکل

ایشیائی اخلاق کا سب سے زیادہ نازک مسئلہ توکل اور قناعت کا مسئلہ

ہے، جس کی غلط فہمی نے اکثر ایشیائی قوموں (خاصۃً مسلمانوں کو) ایک مدت سے اپاہج اور نکما بنا رکھا ہے۔ ہزار دہا لاکھوں آدمی سمجھتے ہیں کہ توکل اور قناعت کسب معاش کے چھوڑ دینے کا نام ہے انسان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے وہ رزاق مطلق اور روزی دینے کا ذمہ دار ہے، خود ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں، اس خیال نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مختلف صورتوں میں گداگر بنا دیا ہے۔ توکل کی حقیقت اور ماہیت پر امام صاحب نے نہایت بسیط اور مفصل و مدلل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ توکل در اصل توحید کا نام ہے جس کے چار درجے ہیں (۱) اقرار زبانی (۲) اقرار زبانی اور اعتقاد قلبی (۳) کشف کے ذریعہ سے یہ مشاہدہ ہونا کہ تمام افعال ذات باری سے صادر ہوتے ہیں، اسباب و وسائط کو کچھ دخل نہیں (۴) مشاہدہ کہ عالم میں ذات باری کے سوا اور کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان مراتب چہارگانہ میں سے پہلے دو مدارج کو توکل کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔ توکل کی ابتدا تیسرے درجہ سے ہوتی ہے جب انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وسائط و اسباب اس کی نظر سے چھپ کر صرف خدا سامنے رہ جاتا ہے اس حالت میں وہ جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جو کچھ مانگتا ہے خدا سے مانگتا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اس کا نام توکل ہے جو گویا ایک وجدانی کیفیت یا حالت ہے جو صرف ارباب ذوق پر طاری ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے، اور جس پر یہ حالت طاری ہو جائے وہ بے شبہ ظاہری اسباب و وسائط سے بے نیاز ہو جائیگا۔ تاہم امام صاحب نے توکل کی اس اصلی حالت و کیفیت میں بھی متوکل کے لئے اسباب و وسائط سے دست بردار ہو جانا جائز نہیں رکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسباب و وسائط کی تین قسمیں ہیں: (۱) قطعی (۲) ظنی (۳) احتمالی۔ قطعی اسباب سے قطع نظر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ظنی میں مشروط نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور صوفیائے عظام سفر میں بھی بعض چیزیں ہمراہ رکھتے تھے

جن کی حضر میں ضرورت پیش آتی ہے۔ البتہ احتمالی ہیں جن سے کبھی کبھی اتفاقیہ طور سے
مقصد حاصل ہو جاتا ہے ان کی تلاش و جستجو میں رہنا توکل کے بالکل خلاف ہے۔ غرض امام
صاحب نے توکل کی جو حقیقت اور احکام بیان کئے وہ وہ توکل نہیں جو انسان کو کاہلی،
مفت خوری، بے دست و پائی اور مہذب گداگری سکھاتا ہے بلکہ بار بار اس کا اعادہ کیا
ہے کہ متوکل کا یہ کام نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کی کمائی کھائے۔

احیاء العلوم کا فلسفۂ اخلاق

اخلاق جمع ہے خُلق کی خُلق اور خَلق قریب المعنیٰ الفاظ ہیں جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں
مثلاً کہیں کہ فلاں کی خَلق اچھی ہے یعنی اُس کا ظاہر اچھا ہے، یا فلاں کا خُلق اچھا ہے یعنی
اس کا باطن اچھا ہے، یا کسی کے خَلق اور خُلق دونوں کو اچھا یا بُرا بتایا جائے اور یہ اسی طرح
ہے جیسے انسان حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے (۱) جسم (۲) روح جس طرح جسم کی خاص صورت
و شکل ہے روح کی بھی ہے۔ پھر جس طرح جسم کی صورت اچھی یا بری ہوتی ہے روح
کی بھی ہوتی ہے اور جس طرح ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا
بدصورت کہتے ہیں۔ روحانی صورت کے لحاظ سے اُسے خوش اخلاق یا بد اخلاق کہا
جاتا ہے چونکہ امام صاحب کے نزدیک اخلاق کی درستی میں تربیت کو بہت دخل ہے اور
تربیت کی اصل بنیاد بچپن کے زمانہ میں پڑتی ہے۔ اس لئے امام صاحب نے بچوں کی اخلاقی
تربیت پر بہت زور دیا ہے اور اس کے قواعد کو ایک دستور العمل کے طور پر مرتب کیا ہے
اور بتایا ہے کہ بچے میں جو وقت تمیز کے آثار ظاہر ہوں اسی وقت سے اس کی دیکھ بھال
رکھنی چاہئے۔ بچے میں سب سے پہلے غذا کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس لئے تعلیم و تربیت
کی ابتدا بھی یہیں سے ہونی چاہئے۔ انھوں نے روزمرہ کی زندگی کے اصول و
آداب سے لیکر جو ہر طبقہ کے بچوں کے لئے مفید ہوسکتے ہیں مثلاً وہ طریقے جن سے
امراء کے بچے عُجب اور غرور سے بچ سکیں اور مفلسوں کے بچوں میں بلند نظری اور

علو ہمت کے جوہر پیدا ہوسکیں اور یہ وہ اصول و ضوابط ہیں کہ اگر ان کی کماحقہٗ تقلید کی جائے تو ہماری قوم کے اندر ایسے ہی بلند حوصلہ افراد پیدا ہوسکتے ہیں جیسے کہ خود امام صاحب تھے۔

امام صاحب نے اخلاق کے یہ تمام اصول اور مسائل اگرچہ فلاسفۂ قدیم سے لئے ہیں، لیکن طرز ادا میں وہ بات پیدا کی ہے جو خود ان فلاسفہ کو نصیب نہ تھی۔

امام صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اخلاق میں فلسفہ کی آمیزش کی بلکہ نفس فن کو اسقدر وسعت دی کہ یونانیوں کا فلسفۂ اخلاق ان کے وضع کردہ فلسفۂ اخلاق کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتا ہے جو نسبت قطرہ دریا کے مقابلے میں رکھتا ہے۔

انھوں نے اپنی مخصوص طرز ادا کے ساتھ اخلاق فاضلہ کی تشریح کی ہے۔ اور ان کے حصول کا طریقہ بتایا ہے۔ علٰے ہذا اخلاق ردیہ کی توضیح کر کے ان سے بچنے کے ذرائع بتائے ہیں۔

ان تمام مباحث کو ہم بخوف تطویل ترک کرتے ہیں۔ البتہ خداوند تعالیٰ مالک برحق و ہادیٔ مطلق کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نوجوانوں کو امام صاحب کی حیات اور ان کی تصنیفات سے براہ راست متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اب اس کے بعد کچھ کیفیت خاص کتاب المحقق کی بتائی جاتی ہے۔

کتابُ الحقوق

یہ رسالہ (جس کا نام کتاب الحقوق ہے) دراصل امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب احیاء العلوم کا ایک باب ہے جس میں امام صاحب نے اُن حقوق وفرائض کی تشریح فرمائی ہے جو ایک انسان کے دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

لفظ "حق" کی تشریح

"حقوق" جمع ہے "حق" کی جو عربی لفظ ہے اور جس کے بہت سے معنی ہیں۔ قرآن شریف میں بھی یہ لفظ کثرت سے اور مختلف معنوں میں آیا ہے لیکن اس رسالے (کتاب الحقوق) میں لفظ حق کا صرف ایک مفہوم ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق جو واجب اور لازم اور جائز ہو اُسے کام میں لانا۔

حقوق کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا تعلق صرف اللہ اور اس کے بندوں سے ہے۔ اور حقوق العباد سے بظاہر وہ جن کا تعلق صرف بندوں کے باہم ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو حقوق العباد بھی ایک طور پر اس لحاظ سے حقوق اللہ میں داخل ہو جاتے ہیں کہ حقوق العباد کے متعلق بھی نہایت تاکیدی اوامر ونواہی موجود ہیں جن کی پابندی عین حقوق اللہ کی ادائیگی ہے اور اس سے حقوق العباد کی اہمیت ثابت ہے۔ نیز یہ بھی عقائد کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ میدانِ حشر میں حقوق اللہ سے بھی پہلے حقوق العباد کی پرسش ہوگی۔ اور اس کا اس درجہ اہتمام ہوگا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "یُقْتَصُّ لِلشَّاۃِ الْجَمَّاءِ مِنَ الشَّاۃِ الْقَرْنَاءِ" یعنی منڈی بکری کا بدلہ سینگوں والی بکری سے لیا جائے گا۔

انسان مدنی الطبع ہے۔ اس وجہ سے ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ

لامحالہ تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ اور ان تعلقات کی بنا پر باہمدگر حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ پر خود امام صاحبؒ نے اپنے رسالہ کی تمہید میں نہایت مائل و دل طریقہ سے بحث فرمائی ہے جس کے اعادہ کی یا جس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔

البتہ نہایت مختصر الفاظ میں اس ہدایت کی طرف توجہ دلانا غالباً فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ ادائے حقوق کا جذبہ خداوند تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق کی طبائع کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ چنانچہ جانوروں میں بچوں کی پرورش یا اپنی نوع کی حفاظت کا مادہ اسی جذبۂ فطری کا جوہر ہے اور جدید ترین علمی تحقیقات نے نباتات و جمادات کی اندر بھی کسی نہ کسی نہج پر اس کے وجود کا پتہ لگایا ہے۔ ہاں انسان اور دوسری مخلوق کے جذبات میں جو فرق و امتیاز ہے وہ اسی نسبت سے ہے جو خداوند تعالےٰ قادر مطلق و خلّاقِ برحق نے انسان و ماورائے انسان کی فطرت و طبیعت کے اندر قائم فرمایا ہے۔ وذالک تقدیر العزیز العلیم۔

ضمیمہ

حقوق مندرجہ کتاب الحقوق کے علاوہ مندرجہ ذیل حقوق پر بھی مطلع ہونا ہمارے عزیزوں کے فائدہ سے یقیناً خالی نہ ہوگا۔

خدا کا حق ہے کہ اس پر، اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن اور تقدیر اور مرنے پیچھے جی اٹھنے پر ایمان لائیں۔ اس کی ذات، صفات اور عبادات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ اس کے حکموں کی تعمیل، اس کی رحمت کی امید اور اس کے غضب سے خوف، اس کے دشمنوں سے دشمنی اور اس کے دوستوں سے دوستی، اسی پر بھروسہ، اس کا ذکر و شکر، اس کے سامنے عاجزی اور دعا اور جو مانگنا اسی سے مانگنا۔

ملائکہ اور کتابوں پر اسی طریقہ سے ایمان لانا جیسا کہ خدا اور رسول صلعم نے فرمایا ہے

اور خاص قرآن کا حق ہے اُس کی تلاوت کرنا، صرف پاک ہاتھوں سے چھونا، کوئی اور پڑھ رہا ہو تو خاموشی سے سننا، حروف اور الفاظ کو اچھی طرح ادا کرنا، اسے سمجھنے کی کوشش کرنا، اُس کی آیتوں کا تمسخر نہ کرنا بلکہ اُن پر غور کرنا۔

ابنیاء اور رسولوں کی نبوت اور رسالت میں فرق نہ کرنا، اُن پر ایمان لانا اُن کو معصوم سمجھنا، ان کا ادب، ازدواج و اہل بیت و اصحاب کی تعظیم اور ان سے محبّت، ان پر درود و سلام، سنّت کی پیروی، امّت کی خیر خواہی۔

اکابر امّت اور علماء و صلحاء کی کماحقہٗ تعظیم و تکریم، ان کی ظاہری کمزوریوں سے چشم پوشی، ان کی دینی خدمتوں کی قدر، ان کے لئے دعائے خیر، ان کے احکام کی بجا آوری، ان کی خدمت، ان کے عیال سے حسنِ سلوک۔ اُن کو پکارنا اور ان کا نام لینا مکروہ ہے، اُن کی جگہ بیٹھنا بے ادبی ہے۔

مسجد کو صاف ستھرا رکھنا، روشنی کرنا، ضروریات نماز کا مہیّا رکھنا، خرید فروخت یا دنیا کی اور کوئی بات نہ کرنا، اونچی آواز سے نہ بولنا، کھوئی ہوئی چیز کا وہاں تلاش نہ کرنا، نماز اور ذکر خدا و رسول سے آباد رکھنا۔

میزبان کا مہمان پر حق ہو کہ بے وقت خصوصاً رات میں اُس کے گھر نہ پہونچے۔ حتی الامکان پہلے سے اطلاع دے۔ میزبان کسی قسم کی تکلیف نہ دے اُسے خوش رکھے، خلاف مزاج بات نہ کرے، اگر ہوسکے تو اُس کے کام میں ہاتھ بٹائے، اُس کے گھر کے حالات میں کھود کرید نہ کرے اور اگر اتفاقاً کوئی ناگوار بات علم میں آجائے تو اُس کا اعلان نہ کرے، ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرے بلکہ جلد سے جلد واپس ہو اُس کے لئے (خصوصاً کھانے کے بعد) دعا کرے۔

آقا کا حق ہے دنیاوی اُمور میں اسکی فرماں برداری اور وفاداری اور حاضر و غائب اس کی خیر خواہی اور حق شناسی اُس کے مال اور عیال اور ناموس کی حفاظت

ملازم کہ اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا، اجرت کو وقت سے آگے نہ ٹالنا، ناروا سختی نہ کرنا، حتی الامکان غلطیوں سے درگذر، شفقت اور نرمی کا برتاؤ، مار پیٹ اور تہمت سے گریز۔ اگر کھانا پہننا بھی متعلق ہے تو اس میں ان کی پوری رعایت

مُردوں کا زندوں پر حق ہے شرع شریف کے مطابق اُن کی تجہیز و تکفین، اُن کی جائز وصیتوں کو پورا کرنا، انکے ذمہ کے قرضوں کو ادا کرنا، ان کے دوستوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک، نفلی عبادتوں کا ثواب پہنچانا، دعائے خیر اور ان کو ہمیشہ اچھے لفظوں سے یاد کرنا، قبروں کی زیارت اور انکی شرعی حُرمت

نفس یعنی خود اپنی جان کا بھی انسان پر بہت بڑا حق ہے اور وہ یوں کہ کسی کام میں بھی (یہانتک کہ خدا کی عبادت میں بھی) خدا کی دی ہوئی طاقت سے زیادہ مصروف نہ ہونا، ایسے موقعوں سے بچنا جن میں جان کا خوف ہو، تن درستی کو نقصان پہنچانے والی چیزوں اور باتوں سے پرہیز کرنا اور ایسے موقعے پیش آہی جائیں تو ان کو ٹالنے کی امکانی کوشش کرنا، اور اسی حق نفس اور جان بچانے کی کوشش میں اپنے مال اور اپنے اہل و عیال اور اپنی عزت کی حفاظت اور خدا و رسول کے حکموں کی پابندی کرکے دوزخ کی آگ سے بھی اپنے آپ کو بچانا شامل ہے

جانوروں تک کے خدا اور رسول نے حق مقرر فرمائے ہیں، پالتو جانوروں کی بھوک پیاس اور سردی گرمی کا پورا خیال رکھنا، خدمتی جانوروں سے اُن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا۔ ان کو بے طرح مار پیٹ نہ کرنا۔

جانوروں کا لڑانا حرام ہے۔ جن جانوروں کو ذبح کیا جائے وہ بھی بھوکے

پیاسے نہ ہوں اور نہ ذبیح کا آلہ کند ہو۔ بے ضرر جانوروں کو ان کے حال پر چھوڑنا، اور موذی جانوروں کو دیکھتے ہی مار ڈالنے کی کوشش کرنا چاہیئے کیونکہ موذی کی ایذا سے بچنا اور بچانا بھی نیکی اور ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "الخلق کلھم عیال اللہ فخیرکم خیرکم لعیالہٖ" (مخلوق ساری کی ساری خدا کا کنبہ ہے اور تم میں اچھا وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے لیے اچھا ہے)۔

کتاب الحقوق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق

جاننا چاہیئے کہ انسان یا تو تنہا زندگی بسر کر سکتا ہے یا کسی دوسرے کے ساتھ، اور چونکہ انسانی زندگی اپنے ہم جنس بنی نوع انسان کے ساتھ میل جول کرنے پر مجبور ہے لہذا ضروری ہے کہ میل جول کے آداب اور قواعد سیکھے ہر اس تعلق کے لئے جو ایک انسان دوسرے کے ساتھ رکھ سکتا ہے ایک ادب اور قانون ہے اور یہ ادب باندازہ اس حق کے ہوتا ہے جو اس میل جول کا سبب ہوا ہے۔

تعلق یا قدرتی ہوتا ہے (جیسے کہ رشتہ داری) اور یہ سب سے زیادہ مخصوص ہے، یا جیسا کہ برادری اسلام ہے اور یہ سب سے زیادہ عام ہے اگر (طبعی) قدرتی نہیں ہے تو یا پڑوسی رہنے سے ہوگا یا پاس بیٹھنے اٹھنے سے یا ملاقات سے جیسا کہ ہم سفر اور ہم مکتب اور ہم سبق ہونے سے اتفاق ہوتا ہے۔ یا دوستی ہوگی اور یہ (یعنی دوستی) برادری کے مرتبہ تک ترقی کر جاتی ہے اور ان تعلقات میں سے ہر ایک کے درجے ہیں کہ جن کو انسان پہچان سکتا ہے اگر اپنے میں اور دوسرے میں ان تعلقات کو غور کرے جو اس پاس بیٹھنے اٹھنے اور ساتھ رہنے کے سبب سے ہوئے ہیں۔

حقوق المسلم

(۱) مسلمان کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جو کچھ وہ اپنی ذات کے لئے دل سے پسند کرتا ہے وہ ہی تمام مسلمانوں کے لئے چاہے، اور جو اپنی ذات کے لئے پسند نہیں کرتا وہ ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ[لہ] نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ "مومنوں کی مثال ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے کی ایسی ہے جیسے بدن کی اگر ایک عضو میں درد ہوجاتا ہو تو دوسرے تمام اعضاء میں حرارت اور بیخوابی پیدا ہو جاتی ہے"۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند + کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار + دگر عضوہا را نماند قرار

لہ ایک جلیل القدر صحابی۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرماتے تھے رسول خداؐ کہ "ایک مومن دوسرے مومن کیلئے مثل مضبوط بنیاد کے ہے کہ ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت دیتا ہے۔"

۲- یہ کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف نہ پہنچا دے۔ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "اسلام یہ ہے کہ تیرا دل خدا کے سامنے عجز ظاہر کرے اور مسلمان تیری زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہوں۔"

۳- یہ کہ ہر مسلمان کے سامنے عاجزی ظاہر کرے اس پر برتری ظاہر نہ کرے اسلئے کہ خدا اکڑ کے چلنے والے اور فخر[۱] کرنیوالے کو دوست نہیں رکھتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ تم عاجزی کرو یہاں تک کہ ایک دوسرے پر بڑائی ظاہر نہ کرے۔"

۴- یہ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بدگوئی کرے تو اس کو نہ سنے اور جو بات (بدگوئی) کہ ایک سے سنے دوسرے کو نہ سنائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بدگوئی کرنیوالا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" اور حضرت خلیل بن احمد نے فرمایا کہ "جو شخص تیرے سامنے چغل خوری کرے تیری بھی کرے گا[۲] اور جو تیرے سامنے دوسروں کی بھلائی کرے تیری بھی بھلائی دوسروں کے سامنے کرے گا۔

۵- یہ کہ اگر کسی جان پہچان والے سے ناخوش ہو تو تین دن سے زیادہ جدائی نہ رکھے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ[۳] سے روایت ہے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "مسلمان پر حلال نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے کہ جس وقت دونوں آمنے سامنے ہوں ایک دوسرے سے منہ پھیرلے اور ان دونوں میں سے فضیلت اس کو ہے جو سلام کرنے میں ابتدا کرے۔"

۶- یہ کہ جہاں تک ہو سکے اور جس کسی کے ساتھ ہو سکے نیکی کرے اپنے اور بیگانہ میں فرق

---

[۱] ایک صحابی ہیں۔ [۲] تکبر کی راہ سے۔ [۳] ہر کہ عیب دگران پیش تو آورد
بے گمان عیب تو پیش دگران خواہد برد (سعدیؒ) [۴] صحابی ہیں۔ مزار قسطنطنیہ میں ہے

نہ کرے (سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے) حضرت علی بن الحسین رضؓ نے حضرت امام حسین رضؓ سے اور آپ نے اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دین کے بعد عقلمندی کا راز لوگوں سے محبت رکھنا ہے اور ہر نیک و بد سے نیکی کرنا"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص جناب کا ہاتھ مصافحہ کے لیے پکڑتا تو آپ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے نہ چھڑاتے تاوقتیکہ وہ خود نہ چھوڑتا۔ اور آنجناب کا زانو اپنے پاس والے کے زانو سے آگے بڑھا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے آنجناب سے بات کرنی چاہی ہو اور آنجناب اُس کی طرف مخاطب نہ ہوئے ہوں اور پھر یہ کہ آنجناب منھ نہ پھیرتے تاوقتیکہ بات ختم نہ ہو جاتی"۔

۷۔ یہ کہ کسی کے گھر میں بغیر اُس کی اجازت کے نہ گھسے بلکہ چاہیے کہ تین بار اجازت لے اور وہ اجازت نہ دے تو واپس چلا آئے۔[۵]

۸۔ یہ کہ ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے اور اس کے مرتبہ کے موافق اس سے برتاؤ کرے اس لیے کہ اگر جاہل سے اہل علم کی طرح بات کرے اور محض ناخواندہ سے فقیہو[۲] کی سی اور کودن[۳] محض کے ساتھ فصاحت سے تو اس کو بھی تکلیف دیگا اور خود بھی بیفائدہ مشقت اُٹھادے گا۔

۹۔ یہ کہ بزرگوں کی تعظیم کرے اور چھوٹوں پر مہربانی۔ حضرت جابر رضؓ[۴] سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "وہ ہم میں سے نہیں ہے جو بزرگوں کی عزت نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے"۔ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آتے تھے بچے آپ سے چمٹ جاتے۔ پس آپ اُن کے پاس کھڑے ہو جاتے اور حکم دیتے کہ بچے آپ کے سامنے اور پیچھے سوار کیے جاویں اور آپ صحابہ کرام کو حکم کرتے کہ بچوں میں سے

---

[۱] مشہور صحابی ہیں جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں [۲] علم فقہ (مسائل شرعیہ) جاننے والے [۳] جاہل بیوقوف [۴] ایک جلیل القدر صحابی ہیں [۵] اجازت حاصل کرنے کے طریقہ کے لیے دیکھو نمبر ۲۰

بعض کو وہ اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیں لڑکے آپس میں اس پر فخر کرتے۔ ایک دوسرے سے کہتا کہ رسولِ خدا نے مجھکو تو آگے بٹھلایا اور تجھ کو پیچھے اور کوئی کہتا کہ تیرے لئے اپنے صحابی کو اپنے ساتھ سوار کرانے کا حکم دیا۔"

۱۰۔ یہ کہ تمام لوگوں کے ساتھ خوش مزاج خندہ رو اور دوست رہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جانتے ہو کہ دوزخ کس شخص پر حرام کیا گیا ہے" صحابہؓ نے جواب دیا کہ خدا اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے فرمایا "نرم دل بے تکلف اور سہل گزار پر۔"

۱۱۔ یہ کہ کسی مسلمان سے کوئی وعدہ نہ کرے کہ جس کو پورا نہ کرے (یعنی جو وعدہ کرے اُس کو ضرور پورا کرے) چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض وعدہ عطا ہی اور بعض قرض ہی"

۱۲۔ یہ کہ اُس شخص کی توقیر زیادہ کرے کہ جسکی صورت اور جسکا لباس اسکے بلند پایہ کی شہادت دے اور چاہیئے کہ لوگوں کو انکے رتبہ پر رکھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے گھروں میں سے کسی گھر میں تشریف رکھتے تھے پس آپکے یار دوست آئے۔ اور جریرؓ بن عبد اللہ البجلی بھی پہونچے چونکہ جگہ نہ تھی دروازہ پر ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک لپیٹی اور انکی طرف پھینکی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔ جریرؓ نے چادر اٹھائی اور اپنے سر اور آنکھوں پر لگائی اسکو بوسہ دیتے رہے اور روئے اور پھر ویسے ہی لپیٹی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھدی اور عرض کی کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ حضور کے جامۂ مبارک پر بیٹھ سکوں۔ خدا اُسکو دوست رکھتا ہے جس نے میری توقیر کی (یعنی آپ محبوب خدا ہیں آپکا رتبہ اسقدر بلند ہے کہ میں گنہگار آپکی چادر مبارک پر بیٹھ نہیں سکتا) پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی بائیں نگاہ کی اور فرمایا کہ "تمھارے نزدیک کوئی بزرگ قوم (یعنی سردار قوم) ہو (یعنی آوے) تو اُس کی عزت کرو اور اسی طرح ہر اُس شخص کو جس پر کسی کا حق ہو چاہیئے کہ اُس کی عزت کیجیے۔"

لہ یعنی چھوٹوں کو چاہیئے کہ اپنے بزرگوں، ماں باپ، استاد، محسن اور جو عمر یا رشتہ میں بڑے ہوں ان کی عزت کریں

۱۳۔ یہ کہ مسلمانوں کے درمیان صلح و آشتی پیدا کرے جہاں تک ہو سکے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا نہ خبر دوں تم کو اس چیز کی کہ جس کا پایہ نماز روزہ اور خیرات سب سے بلند تر ہے؟" عرض کیا فرمائیے، فرمایا کہ "دور کرنا اُس رنج اور کدورت کا کہ کسی کے درمیان ہو۔ اور یہ آپس کا فساد ہی برباد کرنے والا ہوتا ہے" اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "بہترین صدقہ دور کرنا ہے رنجش اور کدورت باہمی کا۔"

۱۴۔ یہ کہ تمام مسلمانوں کا عیب چھپائے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی نے ایک مسلمان کا عیب چھپایا خدا نے اُس کا دنیا اور آخرت میں عیب چھپایا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ[2] سے فرمایا کہ "اگر تو مسلمانوں کی عیب جوئی میں پڑے گا تو انکو خراب کرے گا یا قریب اس کے ہو گا کہ خراب کرے۔" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے وہ لوگو! کہ جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو اور جن کے دل میں ایمان نہیں بیٹھا[3] ہے۔ لوگوں کو عیب مت لگاؤ اور اُن کے عیب تلاش مت کرو اس لئے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کا عیب تلاش کرے گا خدا اس کا عیب تلاش کرنے کے درپے ہو گا اور جس کا خدا عیب تلاش کریگا اس کو رسوا کرے گا اگرچہ وہ اپنے گھر میں ہی کیوں نہ محفوظ ہو۔"

۱۵۔—— یہ کہ ہر مسلمان سے بات کرنے سے پہلے سلام کرے اور سلام کے وقت اُس سے مصافحہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کسی نے سلام کرنے سے پہلے بات شروع کی اُس کا جواب نہ دو تا وقتیکہ سلام نہ کرے" اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "سوار پیادہ چلنے والے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو اور چھوٹے بڑوں کو۔" [فائدہ] سلام سے مراد وہ سلام ہے جس کے الفاظ یوں ہیں "السلام علیکم" یا "سلام علیکم" اور جس کا جواب دیا جاتا ہے "وعلیکم السلام" کہہ کر (یہ ایک دعا ہے جو ایک مسلمان بھائی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو دیکھتے ہی خدا سے اُس کی سلامتی کے لئے کرتا ہے

۱؎ صحابی ۲؎ مشہور صحابی آپ کا لقب "خال المومنین" یعنی مسلمانوں کے ماموں تھا ۳؎ یہ منافق کی تعریف ہے

سلام سے مطلب آداب التسلیمات، بندگی، کورنش نہیں ہے۔ ان الفاظ کے کہنے سے سلام نہیں ہوا اور چاہیئے کہ ایسے شخص کی بات کا موافق اس حدیث شریف کے جواب نہ دے تا وقتیکہ وہ شرعی اور اسلامی سلام نہ کرے۔)

۱۶۔ یہ کہ اپنے مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کرے اور جہاں تک ہو سکے اس کی جان و مال کو اس کے دشمن کے ظلم سے بچائے اس کی محافظت کرے اور اس کی طرف سے لڑے اور اس کی مدد کرے اس لئے کہ یہ سب اس پر از روئے برادری اسلام واجب ہے۔ حضرت انس[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کسی کے سامنے ایک مسلمان بھائی کا ذکر کیا جائے اور اس کو اس کی مدد کرنے پر قوت حاصل ہو اور پھر مدد نہ کرے خدا اس کا اس سے دنیا اور آخرت میں مواخذہ کرے گا"۔

۱۷۔ یہ کہ چھینکنے والے کو جواب دے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "چھینکنے والا کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ (یعنی ہر حال میں خدا کا شکر ہے) اور جواب دینے والا کہے يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ (یعنی خدا تم پر رحم کرے) پھر چھینکنے والا جواب دے (يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ) یعنی خدا تمہاری ہدایت کرے اور تمہارے حال کی اصلاح کرے"۔

۱۸۔ یہ کہ دولتمندوں کی صحبت اور میل جول سے کنارہ کرے اور غریبوں سے ملے اور یتیموں کے ساتھ نیکی کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ فرمایا کرتے تھے "اے خدا مجھ کو مسکین[۲] ہی زندہ رکھ اور مسکین ہی مار اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر"۔

۱۹۔ یہ کہ ہر مسلمان کو نصیحت کرے اور اس کا دل خوش کرنے کی کوشش کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن مومنوں کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو اپنے لئے"۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے"۔

---

[۱] صحابی۔ [۲] ناداری کے باوجود قانع اور متوکل

۲۰- یہ کہ بیمار مسلمانوں کی عیادت کرے اسلئے کہ شناسائی اور اسلام کافی ہیں اس حق کے ثابت کرنے اور اس کی فضیلت بتلانے میں (یعنی بیمار کا مسلمان ہونا اور تھوڑی شناسائی اسکو مستحق کر دیتی ہے اس کا کہ تم اسکی عیادت کرو) اور عیادت کرنیوالے کے لئے یہ ادب ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھے (یعنی زیادہ نہ بیٹھے اور بات کم کرے۔ اور ہمدردی کا اظہار کرے اور اسکی سلامتی کی دعا کرے اور چھپانے کی جگہوں سے نگاہ بچائے رکھے[۱]۔

اور اجازت چاہنے کا ادب یہ ہے کہ اجازت چاہتے وقت دروازے کے سامنے نہ ہووے اور دروازہ آہستہ آہستہ کھٹکھٹاوے اور جب سوال کیا جائے کہ کون ہے تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتلاوے اور اگر آواز دینے کی ضرورت ہو تو غلام یا نوکر کہہ کر آواز نہ دے البتہ چاہئے کہ خدا کی حمد و ثنا کہے (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ زور زور سے کہے بجائے آواز دینے کے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مریض کی عیادت یہ ہے کہ اسکی پیشانی یا ہاتھ پر ہاتھ رکھے اور اس سے پوچھے کہ تم کیسے ہو اور تمہارا پہنچنا سلام مصافحہ کرنا ہے"۔

۲۱- یہ کہ لوگوں کے جنازہ کے ساتھ جاوے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو کوئی کسی کے جنازے کے پیچھے جاتا ہے اسکو ایک قیراط[۲] ثواب ملتا ہے اور اگر دفن ہونے تک ٹھیرا رہتا ہے تو دو قیراط" جنازہ کے ہمراہ جانے کا ادب یہ ہے کہ اظہار غم کرے اور بات نہ کرے اور موت کو یاد کرے اور موت کو سوچے اور اس کے لئے تیار رہے"۔

پڑوسی کے حقوق

جاننا چاہئے کہ پڑوس کا ایک جداگانہ حق ہوتا ہے علاوہ اس حق کے کہ جو اسلامی برادری کا ہوتا ہے پس مسلمان ہمسایہ تمام ان حقوق کا مستحق ہوتا ہے جن کا ایک مسلمان ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ زیادہ حق بھی رکھتا ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں

---

[۱] یعنی مریض کے جو عضو ایسے ہیں جن کو نہیں دیکھنا چاہئے اور نظر کو ان سے بچائے رکھے۔ اس سے مراد ستر عورت ہے [۲] قیراط ایک وزن کا نام ہے برابر چار جو کے

(۱) ہمسایہ کہ جس کو صرف ایک ہی حق حاصل ہو۔

(۲) ہمسایہ کہ جس کو دو حق حاصل ہوں۔

(۳) ہمسایہ کہ جس کو تین حق حاصل ہوں۔

پس وہ ہمسایہ کہ جس کے تین حق ہوتے ہیں مسلمان ہمسایہ ہے کہ رشتہ دار بھی ہو ایک حق پڑوس کا ایک برادری اسلام کا اور ایک رشتہ داری کا۔ اور جس کے دو حق ہوتے ہیں وہ مسلمان ہمسایہ ہے کہ اس کو حق ہمسائیگی اور حق اسلام ہیں اور جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے وہ ہمسایہ مشرک ہے۔

پس دیکھنا چاہئیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ سلم نے مشرک کا بھی بوجہ ہمسائیگی کے ایک حق ثابت کیا ہے۔ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "پورا کر حق ہمسائیگی کو اس شخص کے کہ جو تیرا ہمسایہ ہے اگر تو مسلمان رہنا چاہتا ہے" اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "جبرئیل ہمیشہ ہمسایہ کے حق میں تاکید کرتے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرتا کہ ہمسایہ کو میرا وارث بنادینگے" اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ سلم نے کہ "جو شخص خدا اور رسول اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہئیے کہ اپنے ہمسایہ کی عزت کرے" اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "بندہ صاحب ایمان نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے ہمسایہ کو بلاؤں سے نہ بچاوے" اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "اگر تو نے ہمسایہ کے کتے[۱] کو مارا پس تو نے ہمسایہ کو ستایا" اور حضرت ہشام[۱] نے فرمایا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اس امر میں مضائقہ نہ کرتے کہ اپنے یہودی اور نصرانی ہمسایہ کو اپنی قربانی کا گوشت کھلاتے۔

نزدیک اور دور کے رشتہ داروں کے حقوق

فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں رحمٰن ہوں (یعنی رحم کرنے والا) اور میں نے اپنے نام سے رحم کے لئے نام نکالا ہے پس جو کوئی

---

[۱] صحابی

اسکے ساتھ ملا میں اسکے ساتھ ملا ہوا ہوں اور جو کوئی اس سے جدائی اختیار کرے میں اُس سے جدا ہو گیا۔"

لوگوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون شخص زیادہ افضل ہے آپنے فرمایا کہ "جو تم میں سے خدا سے زیادہ ڈرے، اور زیادہ لگاؤ رکھنے والا رشتۂ رحم سے ہو۔"

حضرت ابوذر[1] نے فرمایا کہ مجھ کو میرے محبوب علیہ السلام نے نصیحت فرمائی صلۂ رحم کی (یعنی رشتہ دار کے ساتھ نیک برتاؤ کی) اگرچہ وہ روگرداں ہو گیا ہو۔ اور حکم دیا اس امر کا کہ سچ بات کہوں اگرچہ تلخ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء نے فرمایا کہ میری ماں میرے پاس آئی پس میں نے کہا اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ ابھی تک مشرک ہے آیا میں اُس کے ساتھ نیکی کروں۔ فرمایا "ہاں" اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ آیا اسکو کچھ دوں؟ فرمایا "اس کے ساتھ نیکی کر۔" اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینا غریبوں کو ایک صدقہ کے برابر ہے اور قرابتدار کو دینا دو صدقے کے برابر۔"

باپ اور بیٹے کے حقوق

فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "ماں اور باپ کے ساتھ نیکی کرنا نماز سے صدقہ سے، روزہ سے، حج سے، عمرہ[2] سے اور جہاد سے جو راہ خدا میں کیا ہو افضل تر ہے۔" اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "جس شخص نے صبح کی درآنحالیکہ وہ ماں اور باپ کو خوش رکھنے والا ہے تو اُس پر دو دروازے جنت کے کشادہ ہوتے ہیں اور جس کسی نے اسی طرح شام کی پس اسی طرح

---

[1] - ایک مشہور صحابی ہیں۔ [2] - خانہ کعبہ سے متعلق دو عبادتیں ہیں (۱) عمرہ اور (۲) حج۔ فرق یہ ہے کہ اول عمرہ سنت ہے حج فرض۔ دوسرے عمرہ جب چاہیں ادا کریں، حج کے ایام مقرر ہیں۔ تیسرے عمرہ کے لئے میقات صرف حل ہے، حج کیلئے میقات بتغیر آفاق مختلف ہیں۔ چوتھے عمرہ کے اعمال میں طواف بیت اللہ رکن ہے اور سعی واجب، حج میں وقوف عرفات اور طواف افاضہ رکن ہیں اور سعی واجب۔

شام کے وقت بھی دو دروازے کشادہ ہوتے ہیں، اور اگرچہ والدین نے اُس پر ظلم ہی کیا ہو، ظلم ہی کیا ہو، ظلم ہی کیا ہو، اور جس شخص نے صبح کی در انحالیکہ اُس نے اپنے والدین کو ناراض کیا ہو تو اس پر دو دروازے دوزخ کے کشادہ ہوتے ہیں اور اسی طرح شام کی پس اسی طرح دو دروازے دوزخ کے اُس پر کشادہ ہوتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک موجود ہو تو ایک دروازہ دوزخ کا کشادہ کیا جاتا ہے اگرچہ والدین نے اُس پر ظلم ہی کیا ہو، اگرچہ ظلم ہی کیا ہو، اگرچہ ظلم ہی کیا ہو" - اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "بو جنت کی پانچ برس کی راہ کے فاصلے سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بو کو نہ معلوم کریگا وہ شخص کہ جس نے اپنے والدین اور ذوالرحم (رشتہ داروں) سے قطع تعلق کیا ہو"۔ روایت ہے کہ جب مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام آپکی تعظیم کے لیئے نہ اُٹھے پس اسی وقت خدا تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی بھیجی و کیا اس میں اپنی کسر شان سمجھتا ہے کہ اپنے باپ کے لئے کھڑا ہو؟ میں اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیری پشت سے کوئی نبی نہیں پیدا کروں گا"۔

اور مالک ابن ربیعہ[1] نے روایت کی ہے کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے کہ اسی اثناء میں ایک شخص قبیلہ بنی سلم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا ماں اور باپ کے ساتھ کوئی نیکی کوئی باقی رہ گئی ہے کہ جسکو میں مرنے کے بعد انکے ساتھ کر سکتا ہوں آپنے فرمایا "اُن کے لئے خدا سے رحمت چاہنا اور انکے لئے استغفار کرنا اور انکے وعدوں کو پورا کرنا اور انکے دوستوں کی عزت کرنا صلۂ رحم کرنا (رشتہ ملانا) اُن لوگوں کے ساتھ کہ جن کا صلۂ رحم سوائے اُن کے اور کسی کے ساتھ نہیں ہے"۔ اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "بہ عمدہ ترین نیکیوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ بعد باپ کی وفات کے نیکی کرے"

---

[1] ایک صحابی۔

اور فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "ماں کی دعا جلد تر قبول ہوتی ہے" لوگوں نے
پوچھا اے رسولِ خدا اس کا کیا سبب ہے۔ فرمایا کہ "ماں تعلق رشتہ میں باپ سے قریب تر ہے اور
دعا رحم بے اثر نہیں رہتی" اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اے رسول خدا
کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں۔ آپ نے فرمایا کہ "اپنی ماں باپ کے ساتھ" اس نے کہا کہ
میرے ماں باپ نہیں ہیں فرمایا کہ "اپنے بیٹے کے ساتھ نیکی کر اس لیے کہ جس طرح باپ کا
تجھ پر حق ہے اسی طرح بیٹے کا بھی تجھ پر حق ہے" اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ "بیٹے کے تمام حقوق میں سے جو باپ پر ہوتے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس کی عمدہ
تربیت کرے اور اس کا اچھا نام رکھے" حضرت اقرع[1] بن حابس رضی نے دیکھا کہ رسولِ خدا
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حسن کے بوسے لے رہے ہیں پس اقرع نے کہا کہ میرے دس بیٹے
ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص
رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا" حضرت ابو سعید[2] خدری رضی نے کہا کہ ایک شخص یمن سے
ہجرت کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد پر جانے کی اجازت
چاہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یمن میں تیرے ماں اور باپ ہیں؟" اس نے
کہا ہاں آپ نے فرمایا "کیا تجھ کو اجازت دی ہے؟" کہا نہیں آپ نے فرمایا "کہ تو اپنے ماں باپ کے
پاس واپس جا اور ان سے اجازت لے پس اگر اجازت دیں تو جہاد پر جا ورنہ جس قدر ہو سکے
ان کی ہی خدمت کر۔ اس لئے کہ یہ کام توحید کے بعد سب اعمال سے بہتر ہے کہ ان کے
ذریعہ سے اپنے خدا سے مل" ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے بارہ میں مشورہ کرے۔ آپ نے فرمایا "کیا تیری
ماں زندہ ہے" کہا ہاں آپ نے فرمایا "پس اس کی خدمت کرتا رہ۔ اس لئے کہ جنت اس کے پاؤں
کے نیچے ہے" ایک اور شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ جب

---

[1] ایک صحابی ہے۔ [2] ایک مشہور صحابی۔

میں آپ کی خدمت میں آیا تو اپنے ماں باپ کو روتا چھوڑ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جا اُن کے پاس لوٹ جا اور اُن کو ہنسا جس طرح کہ تو نے ان کو رلایا ہے۔ اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر وہی حق ہے جو باپ کا اپنے بیٹے پر ہوتا ہے"۔

عام مخلوق کے ساتھ رہنا سہنا

میں اس باب میں اُن آداب کا ذکر کرتا ہوں جو بعض حکمار کے کلام سے مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول اور نشست و برخاست کے متعلق میں نے انتخاب کئے ہیں۔

(۱) اگر اچھی زندگی گذارنا چاہتا ہے تو دوست اور دشمن کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آ بغیر اس کے کہ ان کو حقیر سمجھے یا اُن سے ڈرے (۲) باوقار رہ بغیر غرور کے (۳) تواضع کر بغیر ذلت کے (۴) ہر کام میں درمیانی راستہ اختیار کر اس لئے کہ اس وسط کے دونوں طرف برائی ہے[1] (۵) اپنے کندھوں کو بار بار مت دیکھ (۶) ہر طرف نگاہ مت ڈال (۷) لوگوں کی بھیڑ میں مت کھڑا ہو (۸) اگر جماعت میں بیٹھے تو پاؤں پر (یعنی اُکڑوں) مت بیٹھ (۹) لوگوں کے سامنے اور نماز میں (الف) انگلیاں چٹخانے (ب) داڑھی یا انگشتری سے کھیلنے (ج) دانتوں کو خلال کرنے (د) ناک میں انگلی ڈالنے (ک) اور کثرت سے کھنکار ڈالنے (س) ناک سنکنے (ص) اپنے منہ سے مکھیاں اڑانے (ط) بدن توڑنے (انگڑائی لینا) (ع) اور جماہی لینے سے پرہیز کر (۱۰) نشست سکون کے ساتھ رکھ اور اپنی گفتگو مسلسل اور پیوستہ رکھ (۱۱) اگر کوئی شخص تجھ سے عمدہ بات کہے دھیان دے کر سُن اور اُس پر بہت تعجب مت ظاہر کر اور اُس سے اس بات کو دوبارہ مت کہلوا (۱۲) حیرت انگیز باتوں اور جھوٹے قصوں سے پرہیز کر (۱۳) اپنے بیٹے پر لونڈی پر اشعار پر تصنیف پر اور اُن تمام باتوں پر جو تجھ سے خصوصیت سے تعلق رکھتی

---

[1] اعتدال وسط ہی جو فضیلت ہے اور اس کے طرفین یعنی تفریط و افراط رذایل ہیں، جیسے قوت غضبی کا اعتدال شجاعت ہے اور اس کی تفریط بزدلی، افراط "تہور" ہے۔

یوں غرور مت ظاہر کر (۱۴) عورتوں کی طرح سنگھار مت کر اور غلاموں کی طرح ذلیل مت
رہ (۱۵) سرمہ لگانے اور تیل چپڑنے کی طرف زیادہ مائل نہ ہو (۱۶) طلب حاجت میں
مت گڑگڑا (۱۷) ظلم کرنے میں کسی کی مدد مت کر (۱۸) اپنی بیوی بچوں میں سے کسی کو اس
امر سے مطلع مت کر کہ تیرے مال و زر میں سے کس کو کتنا حصہ ملے گا اس لیے کہ اگر حصہ
تھوڑا ہوگا تو انکی نظروں میں حقیر ہو جاویگا اور اگر بہت ہوگا تو کبھی ان کو خوش نہ رکھ سکے گا
(۱۹) اپنے بیوی بچوں کو بغیر سختی کرنے کے خوف میں رکھ اور بغیر کمزوری ظاہر کئے ہوئے
اُن پر نرمی کر (۲۰) جب تجھ کو کسی سے بحث کرنی پڑے باوقار رہ اور جہالت اور جلدی
کرنے سے پرہیز کر اور دلیل خوب سوچ کر دے اور دونوں ہاتھوں سے بہت اشارہ نہ کر
اور اپنے پیچھے بیٹھنے والوں کی طرف زیادہ نگاہ مت کر اور دو زانو نہ بیٹھ (۲۱) جب غصہ
ٹھنڈا ہو جائے تب بات کہ (۲۲) اس دوست سے جو بنے کا ساتھی ہو بہت ہی ڈر اس لئے
کہ وہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن ہے (۲۳) مال کو عزت آبرو سے زیادہ دوست مت رکھ
(۲۴) جب تو کسی مجلس میں جائے تو ادب اس امر کا مقتضی ہے کہ پہلے السلام علیکم کہو اور
آگے بیٹھے ہوؤں کے سامنے بڑھ کر نہ بیٹھو۔ جہاں کہیں جگہ ملے بیٹھ جاؤ اور جو پاس بیٹھے ہوں
ان کو سلام کرو (۲۵) راستہ میں نہ بیٹھو اگر بیٹھو تو تقاضائے ادب یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو راہ سے
جانیوالے کو نہ گھورو (۲۶) مظلوم اور کمزور کی مدد کرو راستہ بھولے ہوئے کو رستہ پر لگاؤ
سلام کا جواب دو اور سائل کو کچھ نہ کچھ دو اچھی باتوں کی لوگوں کو ترغیب دو اور بری باتوں
سے باز رکھو (۲۷) تھوکنے کی جگہ علیحدہ رکھو اور قبلہ کی طرف نہ تھوکو نہ سیدھے ہاتھ
کی طرف البتہ بائیں طرف تھوکو اور بائیں پاؤں کے نیچے ڈالو (۲۸) جاہلوں کے ساتھ
ساتھ مت بیٹھو اگر بیٹھو تو ان کا ادب یہ ہے کہ اُن کی باتوں میں گھل مل نہ جاؤ
اور اُن کی فضول باتوں پر دھیان نہ دو اور اُن کے سخت الفاظ سے جو اُن کی زبان سے نکلیں
چشم پوشی کرو اور باوجود اس کے کہ اُن سے ملنے کی سخت ضرورت پیش آوے

اُن سے کم ملو (۲۹) کبھی بھی خواہ عقلمندوں کے ساتھ ہو یا جاہل کے مسخرہ پن کی بات نہ کرو اس لیئے کہ عقلمند تجھ پر نفریں کرے گا اور نادان شوخ اور دلیر ہو گا اس لیئے کہ مسخرہ پن ہیبت کو پارہ پارہ کرتا ہے۔ آبرو کو زائل کرتا ہے۔ حسد پیدا کرتا ہے۔ دوستی کی خوشگواری کو دور کرتا ہے عقلمند کی عقل میں عیب لگاتا ہے۔ جاہل کو جرأت دلاتا ہے۔ عقلمندوں کی نظر میں حقیر بنا دیتا ہے۔ مسخرہ پن سے متقی لوگ کراہت کرتے ہیں۔ اس لیئے کہ یہ دل کو مردہ کرتا ہے۔ خداوند تعالےٰ سے دور کرتا ہے غفلت پیدا کرتا ہے۔ باعث ذلت ہوتا ہے اس سے راز فاش ہوتے ہیں، دل مردہ ہوتے ہیں اور عیوب زیادتی پکڑتے ہیں اور گناہ ظاہر ہوتے ہیں، اور بزرگوں کا قول ہے کہ مسخرہ پن نہیں آتا مگر عقل کی سبکی سے یا بیہودگی سے اور جو شخص مذاق یا بیہودہ گوئی کی مجلس میں بیٹھے جب وقت وہاں سے اُٹھے اُس کو چاہیئے کہ ذکر خدا کرے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو کہ ایسی مجلس میں بیٹھے کہ جہاں بہت فضول باتیں کی گئی ہوں تو اگر وہ اُٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے گا تو جو کچھ اس سے بیہودہ ہوا ہو وہ سب بخشا جاوے گا۔ دعا یہ ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ ترجمہ اے خدا میں تیری پاکیزگی کا ذکر کرتا ہوں اور تیری حمد و ثنا کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں اس امر کی کوئی معبود نہیں ہے سوائے تیرے میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

کتابُ الصِّدق
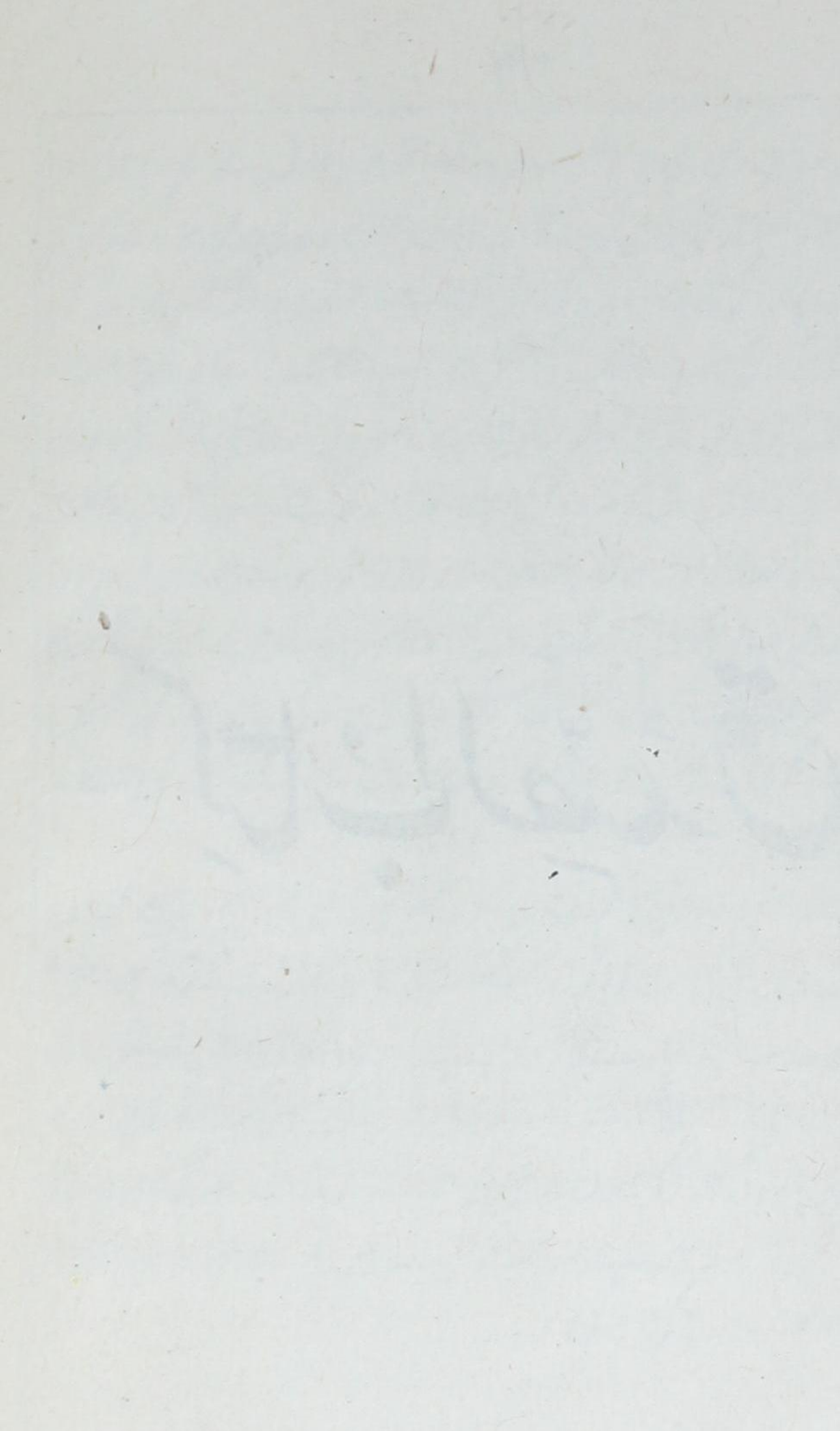
لفظ "صدق" کی تشریح

لفظ "صدق" بھی خالص عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں راست یا سچ، اور یہ خلاف اور ضد ہے لفظ کذب کے جس کے معنی ہیں ناراستی، دروغ یا جھوٹ "صدق" کا لفظ قرآن شریف میں اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ کثرت سے آیا ہے۔ اور از روئے کتاب وسنت اخلاق حسنہ میں اس کا بہت بڑا پایہ ہے۔ اسی لئے امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کا بھی ایک خاص باب باندھا ہے جس کا ترجمہ یہ مختصر رسالہ از نام "کتاب الصدق" ہے۔

امام ممدوح نے صدق کے چھ درجے قرار دیئے ہیں:۔ (۱) صدق قول (۲) صدق نیت (۳) صدق عزم (۴) صدق وفائے عزم (۵) صدق عمل اور (۶) صدق تحقیق مقامات دین۔

لیکن امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ نے اسے صرف تین درجوں میں منحصر کیا ہے (۱) صدق نیت (۲) صدق قول (۳) صدق فعل۔

یہ تین درجے امام غزالی کے یہاں بھی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے باقی تین درجے بھی انہی تین میں سے کسی نہ کسی کی ضمن میں آجاتے ہیں جو امام راغبؒ نے قائم فرمائے ہیں لہٰذا دونوں اماموں کا اجتہاد دراصل ایک ہی ہے۔ البتہ امام راغب نے صدق نیت کو مقدم کیا ہے اور یہ یقیناً اقرب الصواب ہے۔

امام راغب فرماتے ہیں کہ صدق و کذب دونوں کی اصل قول ہی میں ہے، خواہ ماضی میں ہو یا مستقبل میں۔ اور قول میں بھی صرف خبر کی شکل میں ہو سکتے ہیں۔ ہاں عرض کے طور پر کبھی کبھی دیگر اصناف کلام (مثلاً استفہام امر اور دعا) میں بھی پا

جا سکتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح صدق کے مدارج ہیں اور جو لوگ اس وصف سے متصف ہیں اُن میں سب سے بڑا درجہ "صدیق" کا ہے جو "شہید" سے بھی بلند تر ہے اور صرف "نبی" سے فروتر۔ کما قال اللہ تعالیٰ "من النبیّین والصدیقین والشھداء والصالحین" اسی نہج پر اس کے ضد کذب کے بھی درجے ہیں۔ اور کذب کا بدترین درجہ نفاق ہے جو نگاہِ شرع میں علانیہ کفر سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اس کی دلیل علماء کے نزدیک خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" اصولِ اسلام کے مطابق سارے اخلاق اور جملہ اعمال کے حُسن و قبح کا مدار نیت پر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرءٍ ما نوی فمن کان ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کان ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (یعنی سارے اعمال نیتوں سے ہیں اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول کے لئے ہے تو اُس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول کے لئے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی کسی چیز کے لئے ہے کہ اُسے وہ پائے یا کسی عورت کے لئے کہ اُس سے نکاح کرے تو اُس کی ہجرت اُسی کے لئے ہے جس کے لئے اُس نے ہجرت کی) قربانیاں اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے ہوتی ہیں مگر مقبول وہی ہیں جو محض اللہ کے لئے اور خلوص نیت سے ہوں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (یعنی اللہ تک قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ صرف تمہاری پرہیزگاری اُس تک پہنچتی ہے)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں پر بھی جہاں جھوٹ بولنے یا واقعہ کے خلاف کسی بات کا اظہار کرنے سے دراصل نفع یا نقصان رسانی مقصود نہ ہو بلکہ محض بے تکلفی سے ایک بے اصل بات کہہ دی جائے یا کام کر دیا جائے تنبیہ فرمائی ہے اور اس شائبۂ کذب کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک روز چند صحابیات حاضر خدمت تھیں کہ کھانا آیا۔ آپ نے اُن سے شرکت کے لئے ارشاد فرمایا تو سب نے کہا کہ بھوک نہیں ہے۔ فرمایا۔ لا تجمعون جوعاً وکذباً (یعنی بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرنا) ایک بار آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کے سر میں جُوئیں دیکھ رہی ہیں اور جھوٹ موٹ اپنے ناخنوں پر پٹ پٹ کرتی جاتی ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ عائشہ ایسا مت کرو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ انگلیوں کا جھوٹ ہے۔

آپ نے ایسے الفاظ کہنے سے بھی روکا ہے جن میں جھوٹ کا دُور کا بھی پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً یہ کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے سارے رمضان کا روزہ رکھا ہے اور سارے رمضان رات کو قیام کیا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ روزہ صرف دن کو ہوتا ہے اور آدمی تمام رات کھڑا نہیں رہتا بلکہ رات کا کچھ نہ کچھ حصہ اور کاموں میں بھی صرف ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے کی علت یہ ارشاد فرمائی ہے کہ جھوٹ وہی بولتا ہے جو اپنے نفس کو ذلیل سمجھتا ہے۔ اور مذہب اسلام نے صدق پر عمل پیرا ہونے اور کذب سے دُور رہنے پر جو اس درجہ تشدد کیا ہے اُس کا یہ بھی سبب ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کے لئے صرف عزت و رفعت چاہتا ہے اور ذلت اور نکبت سے بچاتا ہے۔

اور اگر نیت بخیر ہو (مثلاً لوگوں میں باہم صلح کرانا وغیرہ) تو جھوٹ قابل مواخذہ

نہیں رہتا بلکہ عین صواب اور خُلق حسن بن جاتا ہے ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لیس الکذّاب الّذی یصلح بین النّاس ویقول خیراً وینمی خیراً (یعنی وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی اچھی باتیں کہے اور اُس کی طرف سے اُس کو اور اِس کی طرف سے اِس کو اچھی اچھی ہی باتیں پہونچائے) اور ایسی باتیں جن سے فساد پیدا ہو خواہ وہ سچی ہی ہوں ۔ ایک کی دوسرے کو پہونچانا آپ نے ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے ۔ فلیقل خیراً او لیصمت (یعنی چاہئے کہ بھلی ہی بات کہے یا خاموش رہے) اور بعینہٖ یہی غرض ہے حضرت شیخ سعدیؒ کے مشہور مقولے کی کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" اور یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اور ہر مذہب اور ہر ملک اور ہر زمانہ کی اخلاق کی کتابیں ایسے ہزارہا جھوٹے قصوں سے بھری پڑی ہیں جن کا صحیح ہونا معمولی عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی مگر جن کے نتائج کی درستی کے سامنے عقلائے دہر ہمیشہ سے سر تسلیم خم کرتے چلے آئے ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۵

صدق کی فضیلت

صدق یعنی سچائی کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ "کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کیساتھ جو انھوں نے عہد کیا تھا سچے اُترے"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سچ راہ بتاتا ہی نیکی کی اور نیکی لیجاتی ہی جنت میں اور آدمی سچ بولتا ہی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہی اور جھوٹ راہ بتاتا ہی بدی کی اور بدی لیجاتی ہی جہنم میں اور آدمی جھوٹ بولتا ہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کذاب لکھا جاتا ہی" صدق کی فضیلت میں یہی کافی ہی کہ اس سے صدیق مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ نے مقام مدح وثنا میں اس لفظ کیساتھ انبیاء علیہم السلام کی تعریف فرمائی ہی فرمایا ہی وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ "اور ذکر کرو کتاب میں ابراہیم کا بیشک وہ سچے نبی تھے" وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا "اور ذکر کرو کتاب میں اسمٰعیل کا وعدہ کے سچے اور رسول نبی تھے" وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيْسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ "اور ذکر کرو کتاب میں ادریس ؑ کا بیشک وہ سچے نبی تھے"

اور حضرت ابن عباس[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسمیں چار باتیں ہوں گی وہ نفع پائیگا۔ اول صدق، دوم حیا، سوم حسن خلق، چہارم شکر گذاری۔ اور بشر بن الحارث کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے صدق کیساتھ معاملہ کرتا ہی وہ آدمیوں سے نفرت کرنے لگتا ہی۔ ابو عبد اللہ رملی نے کہا کہ میں نے منصور دینوری کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے

[1] عبد اللہ نام رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی۔

تم سے کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے بخش دیا اور مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے وہ کچھ عطا کیا کہ جس کی میں اُمید نہیں کرتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ سب سے بہتر شے جس سے بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ صدق اور سب سے بُری چیز جس سے بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کذب ہے۔

ابو سلیمان نے کہا ہے کہ صدق کو اپنی سواری بناؤ اور حق کو تلوار۔ اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی مطلوب۔ ایک شخص نے کسی بزرگ سے کہا کہ میں نے کوئی سچا آدمی نہیں دیکھا ان بزرگ نے جواب دیا کہ اگر خود تو سچا ہوتا تو سچوں کو پہچانتا۔

محمد بن علی کتانی سے روایت ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو تین ارکان پر مبنی پایا، حق، صدق، اور عدل، حق اعضا پر ہے، صدق عقل سے وابستہ ہے، اور عدل دل سے۔

امام ثوری نے اس آیت کی تفسیر میں وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ (یعنی قیامت کے دن دیکھے گا توان لوگوں کو جنھوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہونگے) فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے محبت الٰہی کا دعویٰ کیا اور اسمیں سچے نہ تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو باطن میں میری تصدیق کرتا ہے میں ظاہر میں اس کو سچا کر دیتا ہوں شبلیؒ کی مجلس میں ایک شخص نعرہ مار کر دجلہ میں کود پڑا انھوں نے کہا کہ اگر یہ سچا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کی طرح اسکو ڈوبنے سے بچالے گا اور اگر جھوٹا ہے تو فرعون کی طرح اس کو غرق کر ڈالے گا۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ تمام علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ تین باتیں اگر ٹھیک ہو جائیں تو آدمی نجات پا جائے اور یہ تینوں بلا ایک دوسرے کے پوری نہیں ہوتیں اول اسلام جو بدعت اور نفس کی خواہش سے پاک ہو۔ دوم اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے صدق نیت۔ سوم اکل حلال وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے توریت کی حاشیہ پر ۲۲ باتیں لکھی ہوئی پائیں جن کو

صلحاء بنی اسرائیل جمع ہو کر پڑھتے پڑھاتے تھے (۱) علم سے زیادہ فائدہ مند کوئی خزانہ نہیں (۲) علم سے بڑھ کر کوئی مال سود مند نہیں (۳) غصہ سے زیادہ کمینہ کوئی حسب نہیں (۴) عمل سے بہتر کوئی ساتھی نہیں (۵) جہل سے بدتر کوئی رفیق نہیں (۶) تقویٰ سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں (۷) خواہش نفس کو ترک کرنے سے بہتر کوئی کرم نہیں (۸) فکر سے افضل کوئی عمل نہیں (۹) صبر سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں (۱۰) تکبر سے زیادہ کوئی برائی باعث رسوائی نہیں (۱۱) نرمی سے بہتر کوئی دوا نہیں (۱۲) سختی سے زیادہ تکلیف دہ کوئی بیماری نہیں (۱۳) حق سے عادل تر کوئی رسول نہیں (۱۴) صدق سے زیادہ بہی خواہ کوئی راہبر نہیں (۱۵) طمع سے ذلیل تر کوئی محتاجی نہیں (۱۶) جمع زر سے زیادہ منحوس کوئی دولتمندی نہیں (۱۷) تندرستی سے بہتر کوئی زندگی نہیں (۱۸) عفت سے زیادہ خوش گوار کوئی عیش نہیں (۱۹) خشوع سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں (۲۰) قناعت سے اچھا کوئی زہد نہیں (۲۱) خاموشی سے بہتر کوئی محافظ نہیں (۲۲) موت سے زیادہ قریب کوئی غیب نہیں۔

محمدؒ بن سعید مروزی نے کہا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو صدق کیساتھ طلب کروگے تو تمہارے ہاتھ میں وہ ایک آئینہ عطا کرے گا جسمیں تم دنیا اور آخرت کے عجائبات کا نظارہ کروگے

ابوبکر رزاق نے کہا ہے کہ اپنے اور اللہ کے درمیان صدق کا لحاظ رکھ اور اپنے اور مخلوق کے درمیان نرمی کا۔ حضرت ذوالنونؒ سے کسی نے کہا کہ بندے کیلئے اپنے کاموں کی درستی کی بھی کوئی سبیل ہے تو انھوں نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ؎

ہم گناہوں سے اپنے ہیں حیراں	صدق کی راہ ہے کدھر جاری
پیروی ہوائے نفس ہے سہل	چھوڑنا اس کا دل پہ ہے بھاری

ایک شخص نے سہل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جس امر میں ہم ہیں اس کی اصلیت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ صدق سخاوت اور شجاعت۔ اس نے کہا کچھ اور فرمائیے کہا کہ تقویٰ حیا اور اکل حلال

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کمال کس کو کہتے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حق بولنا اور صدق پر عمل کرنا۔ حضرت جنیدؒ سے اس

آیت کی تفسیر میں لِیَسْئَلَ الصَّادِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (تاکہ پوچھے اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں) فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی نیت میں سچے ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی سچائی کا حال پوچھا جائیگا اور یہ خطرناک بات ہے۔

صدق کی حقیقت اور اس کے معنی اور مدارج

جاننا چاہیئے کہ صدق کا لفظ چھ معنوں میں مستعمل ہے۔ صدق قول، صدق نیت، صدق عزم، صدق وفائے عزم، صدق عمل، صدق تحقیق جملہ مقامات دین[۱]۔ پس جو شخص کہ ان تمام امور میں صدق کے ساتھ موصوف ہے وہ صدیق کہا جائیگا۔ کیونکہ صدیق صدق ہی سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ پھر یہ لوگ بھی مختلف درجوں کے ہوتے ہیں جس شخص میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کی نسبت کچھ صدق پایا جائیگا تو وہ اسی چیز کی طرف نسبت کر کے صادق کہا جائیگا۔

زبان کا صدق

یہ صدق خبر یا ان چیزوں کے بیان کرنے میں پایا جاتا ہے جو خبر سے متعلق ہوتی ہیں اور اس کا تعلق یا زمانہ گذشتہ سے ہوتا ہے یا آئندہ سے۔ امور دینیہ میں ایفائے وعدہ یا وعدہ خلافی بھی داخل ہے اور ہر بندہ پر یہ واجب ہے کہ اپنے الفاظ کا خیال رکھے اور سوائے سچ کے اور کوئی بات نہ کرے۔ صدق کی یہ قسم سب سے زیادہ مشہور اور کھلی ہوئی ہے پس جو شخص اپنی زبان کو چیزوں کے خلاف واقع کیفیت کے بیان کرنے سے محفوظ رکھے وہ صادق ہے لیکن اس صدق کی تکمیل دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک کنایہ سے پرہیز کرنا کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ کنایہ میں جھوٹ کی گنجائش ہے اور اسلئے وہ جھوٹ کا قائم مقام ہے کیونکہ جھوٹ میں جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء کی حالت خلاف واقع اس سے سمجھ میں آتی ہے لیکن کبھی کبھی کنایہ کی ضرورت پڑتی ہے اور مصلحت وقت اس کی متقاضی ہوتی ہے مثلاً بچوں اور عورتوں کو ادب سکھلانے یا ظالموں سے بچنے اور دشمنوں سے جنگ کرنے میں اور اس بات سے احتیاط کرنے میں کہ کہیں دشمن اسرار سلطنت پر مطلع نہ ہو جائیں پس اگر کسی کو مجبوراً ایسی حالت پیش آئے تو اس کا صدق یہ ہے کہ فرمان حق اور مقتضائے دین

[۱] [illegible] مقامات کی تحقیق جیسے [illegible]

کے مطابق جو کچھ کہے اللہ کے لئے کہے جب اس طرح وہ کلام کریگا تو صادق کہلائیگا۔
اگرچہ اس کے کلام سے کچھ اور سمجھ میں آئے کیونکہ صدق مقصود بالذات نہیں ہے
بلکہ اس وجہ سے وہ مطلوب ہی کہ امر حق کی طرف بلاتا اور اس پر دلالت کرتا ہے۔
اس لئے اس کی صورت کا لحاظ نہیں کیا جائیگا بلکہ مقصد دیکھا جائیگا ہاں ایسے موقع پر
جہاں تک ممکن ہو کنایہ سے کام لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سمت سفر کا
ارادہ کرتے تو ایسا دکھلاتے کہ لوگ دوسری سمت سمجھتے تاکہ دشمنوں کو خبر نہ پہنچ جائے
اور وہ چڑھائی نہ کر بیٹھیں اور اس میں جھوٹ کو کچھ دخل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور اچھی بات کہتا اور پہنچاتا ہے
وہ جھوٹا نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے تین موقعوں پر حسب مصلحت گفتگو کرنیکی اجازت فرمائی ہے
ایک تو اس شخص کو جو آدمیوں میں صلح کرائے دوسرے وہ جس کے دو بیبیاں ہوں تیسرے
وہ جو لڑائی کے مصلحے میں ہو اور ان مقامات میں صدق سے صدق نیت مراد لیا جاتا ہے۔
پس ان میں صرف ارادہ خیر اور صدق نیت ہی کا لحاظ کیا جائیگا۔ اگر اس کی نیت صادق
ہو اور اس کا ارادہ خالص بھلائی کرنیکا ہو تو وہ صادق اور صدیق ہو خواہ اس کے الفاظ
کیسے ہی ہوں پھر بھی کنایہ ہی بہتر ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے جو کسی بزرگ سے مروی ہے
کہ ایک ظالم ان کی تلاش میں تھا اور وہ اپنے گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے اپنی بی بی سے
کہہ رکھا تھا کہ ایک دائرہ اپنی انگلی سے کھینچ لے اور اس کے بیچ میں انگلی رکھ کر کہدے کہ
یہاں نہیں ہیں اور اس طرح جھوٹ سے اور ظالم سے محفوظ رہتے۔ ان کا قول سچا تھا
اور ظالم یہ سمجھتا تھا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ غرض یہ ہے کہ کمال اول الفاظ سے متعلق ہے کہ
تعریضاً یا کنایتاً جھوٹے الفاظ سے پرہیز کرے۔ البتہ ضرورت کے وقت کنایہ سے کام
لے سکتا ہے اور کمال دوم یہ ہے کہ ان الفاظ میں جن سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات
کرتا ہے صدق معانی کا لحاظ رکھے۔ مثلاً اگر زبان سے وہ یہ کہتا ہے اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" (میں نے اپنا رُخ اسکی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے) اور حالت یہ ہو کہ اس کا دل اللہ کی طرف سے برگشتہ اور دنیا کی آرزو اور خواہشات کی طرف مائل ہو یا وہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ" (یعنی میں تجھی کو پوجتا ہوں) اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ (یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں) اور اصل میں بندگی کی حقیقت سے وہ موصوف نہیں ہو اور اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز اس کو مطلوب ہو تو اس کا کلام سچا نہ ہوگا اور اگر قیامت کے دن اُس سے اس قول کے کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں" صدق کا مطالبہ کیا جائے تو اس کے ثبوت سے عاجز ہو جائیگا۔ کیونکہ اگر وہ اپنے نفس یا دنیا کی خواہشات کا بندہ تھا تو اپنے قول میں صادق نہ ہوگا۔ جو شخص کسی چیز کا پابند ہوتا ہو وہ اس کا بندہ ہو جیساکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہاکہ "اے دنیا کے بندو" اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ "ہلاک ہو بندۂ زر ہلاک ہو بندہ درہم، ہلاک ہو بندہ لباس اور ہلاک ہو بندہ شمشوف[1]" جس شخص کے دل میں جس چیز کی ہوس ہو اس کو اس کا بندہ قرار دیا۔ اور خالص بندہ تو اللہ تعالیٰ کا وہ ہو جو غیر اللہ سے الگ ہو کر آزاد مطلق ہو جائے جب یہ آزادی حاصل ہوگی تو اس کا دل فارغ ہوگا اور پھر اس میں اللہ کی بندگی سمائے گی۔ یہ بندگی اس کو اللہ اور اللہ کی محبت میں مشغول کریگی۔ اس کے ظاہر و باطن کو طاعت الٰہی سے وابستہ کردیگی اور اس کا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلوب نہ ہوگا۔

پھر بندہ کبھی اس مقام سے آگے بڑھ کر ایک اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچتا ہو جس کو حریت کہتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس بات سے بھی آزاد ہو جائے کہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی ارادہ کرے۔ بلکہ جو کچھ اس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے اسی پر قانع ہے۔ چاہے وہ دور کردے یا تقرب بخشے اپنے ارادہ کو مشیت الٰہی میں فنا کردے۔ یہ شخص ایک بار تو غیر اللہ سے آزاد ہوا۔ دوبارہ اپنے نفس سے آزاد ہو کر اپنی ذات سے نیست ہوا اور اپنے مالک اور مولیٰ کے سبب سے ہست ہوا جب وہ ہلاتا ہے تو ہلتا ہو اور روکتا ہو تو رکتا ہو

[1] شمشوف۔ ایک بالوں کا بنا ہوا کپڑا۔

اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو راضی رہتا ہے۔ اس میں کسی طلب درخواست اور اعتراض کی مجال نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہے جس طرح غسال کے آگے نعش۔ عبودیت الٰہی میں یہ انتہائی درجہ کا صدق ہے۔ تو اب سچا بندہ وہی ہے جس کا وجود اپنے نفس کے لئے نہ ہو بلکہ اپنے مولیٰ کے لئے ہو اور یہی صدیقین کا درجہ ہے اور غیر اللہ سے آزاد ہونا عابدین کا درجہ ہے اس کے بعد عبودیت الٰہی وجود پذیر ہوتی ہے۔ اور غیر اللہ سے آزادی کے بغیر نہ صادق کہے جانے کا مستحق ہے نہ صدیق کا۔

نیت کا صدق

دوسرا صدق نیت اور ارادہ کا ہے۔ اس کا مرجع اخلاص[۵۱] ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی حرکت اور سکون کا باعث سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو اگر اس میں کوئی شائبہ حظ نفس[۵۲] کا شامل ہے تو صدق نیت باطل ہو جائیگا اور اس صورت میں اس شخص کو کاذب کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ہم اخلاص کی فضیلت میں تین شخصوں کی بابت حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جب عالم سے یہ سوال کیا جائیگا کہ تم نے علم سیکھ کر کیا کیا عمل کیا تو وہ کہے گا کہ میں نے فلاں فلاں کام کئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص عالم ہے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی بارہ میں یہ نہیں جھٹلایا کہ تو نے عمل نہیں کیا بلکہ نیت اور ارادہ کی بابت اس کی تکذیب فرمائی ہے[۵۳]

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ صدق کہتے ہیں ارادہ اور نیت کی صحیح توجہ کو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ" (یعنی اللہ شاہد ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں) حالاں کہ منافقوں نے آنحضرت صلعم سے کہا تھا کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ بات سچ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانی بات کو نہیں جھٹلایا بلکہ ان کے مافی الضمیر اور دلی اعتقاد کی تکذیب کی کیونکہ تکذیب خبر کی ہوا کرتی ہے اور بقرینہ حال اس

---

[۵۱] یعنی بغیر اخلاص، صدق نیت کا پیدا ہونا محال ہے۔ [۵۲] لذت نفسانی
[۵۳] اسی لیے جزا و سزا کا اصل نیتوں پر مدار ہے۔

قول کے ضمن میں اعتقاد خبر ہے۔ اس لئے کہنے والے اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ تو اسی کی تکذیب فرمائی کہ قرینۂ حال سے جو تم اعتقاد ظاہر کرتے ہو یہ جھوٹ ہے ان کے الفاظ کو نہیں جھٹلایا۔

الغرض صدق کی ایک مراد خلوص نیت کی طرف راجع ہے۔ اسی کو اخلاص کہتے ہیں اس لئے ہر صادق کے لئے لازم ہے کہ مخلص بھی ہو۔

ارادہ کا صدق کبھی آدمی عمل سے پہلے امنگ کیا کرتا ہے مثلاً اپنے دل میں کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے تو میں سب یا آدھا صدقہ کر ڈالوں یا اگر اللہ کی راہ میں کسی دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو جان سے بے پروا ہو کر لڑوں گو مارا ہی جاؤں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی حکومت عطا کرے تو عدل کروں اور خلق پر ظلم یا رعایت کر کے اللہ کی نافرمانی نہ کروں۔

ایسی اُمنگ کو کبھی انسان اپنے دل میں پاتا ہے کہ وہ نہایت سچی اور پختہ ہے اور کبھی اس میں ایک قسم کی خامی اور ضعف اور کمزوری ہوتی ہے جو صدق عزیمت[1] کے مخالف ہے۔ گویا صدق کے معنی یہاں پختگی اور کمال کے ہیں۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی اشتہا صادق ہے اور اس مریض کی اشتہا کاذب ہے یعنی اس کی اشتہا کسی مضبوط اور قوی سبب سے نہیں ہے بلکہ وہ کمزور ہے تو کبھی صدق بول کر یہی معنی مراد لیتے ہیں اور صادق اور صدیق سے وہ شخص مراد لیا جاتا ہے جس کا عزم امور خیر میں مصمم اور پوری قوت کے ساتھ ہو اور اس میں کوئی خامی، کمزوری اور سستی نہ ہو۔ بلکہ اس کا نفس ہمیشہ مصمم اور پختہ عزم کے ساتھ نیکیوں کے لئے مستعد ہو۔ اس کی مثال حضرت عمر رض کا قول سمجھو انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ مجھ کو گردن کاٹنے کے لئے پیش کریں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اس قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں۔ حضرت عمر رض نے اپنے نفس میں مصمم عزم اور سچی محبت اس بات کی پائی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ

[1] رجوع میں اولی [2] صدق ارادہ

کے موجود ہوتے ہوئے وہ امیر نہ بنیں گے اور قتل ہونیکی تصحیح بیان کر کے اس کی مزید تاکید کر دی۔

صدیق کے مراتب بہ لحاظ عزم کے متفاوت ہیں کبھی وہ اپنے عزم کو ایسا پاتا ہے کہ جس کی انتہا نہیں یہاں تک کہ اس کے باعث قتل پر راضی ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ اپنی رائے پر چھوڑ دیا جائے تو قتل ہونے پر پیش قدمی نہ کرے۔ اور اگر اس کو قتل کی بات کہا جائے تو اس کا عزم نہ ٹوٹے۔ بلکہ بعض تو صادقین اور مومنین میں ایسے ہیں کہ اگر ان کو اپنے اور ابوبکر کے قتل میں اختیار دیا جائے تو ابوبکر کی زندگی کی بہ نسبت ان کو اپنی زندگی زیادہ محبوب ہوگی۔

صدق ارادہ چوتھی قسم صدق کی عزم کو پورا کرنا ہے اس لئے کہ نفس فی الحال عزم کے لئے مستعد ہو جاتا ہے کیونکہ وعدہ اور ارادہ کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی اور بہت آسان ہے۔ مگر جب موقع آجاتا ہے اور قوت حاصل ہوتی ہے اور خواہشات کا زور پڑتا ہے تو عزم سست ہو جاتا ہے اور خواہشات غالب آکر عزم کو پورا نہیں ہونے دیتیں۔ یہ امر صدق کے منافی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ " (یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو عہد انھوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا) اس آیت کے شان نزول میں حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن النضر غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ بات ان کے دل پر نہایت شاق گذری اور کہا کہ پہلی ہی جنگ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے ہیں اس سے غائب رہا۔ واللہ اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی دوسری جنگ میں شرکت کا موقعہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ سال آئندہ آپ غزوہ احد میں شریک ہوئے جب حضرت سعد بن معاذ سامنے آئے تو انھوں نے پوچھا کہ اے ابن النضر کہاں جا رہے ہو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے جنت کی خوشبو احد کی طرف

سے آرہی ہے۔ پھر اس قدر لڑے کہ شہادت پائی۔ ان کے جسم میں کچھ اوپر اسّی زخم تیر نیزہ اور تلوار کے تھے۔ ان کی بہن کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو صرف ان کے پوروں سے پہچانا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور جب اُحد کی جنگ میں حضرت مصعب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے شہید ہوکر منھ کے بل گر پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھی رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۝

فضالہ بن عبید حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شہید چار قسم کے ہیں۔ پہلا[۱] مسلمان کھرے ایمان والا جس نے دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی یہاں تک کہ مارا گیا یہ ایسا شہید ہے کہ قیامت کے دن اس کی طرف لوگ اپنی نگاہیں اس طرح اٹھاویں گے اور آپ نے اپنا سر اقدس اٹھایا کہ ٹوپی گر گئی۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے خبر نہیں کہ حضرت عمرؓ کی ٹوپی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ دوسرا[۲] کھرے ایمان والا مسلمان کہ جب دشمن کے مقابلہ میں آیا تو گویا اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جاتے ہیں۔ اس کو ایک کاری تیر لگا اور وہ شہید ہوگیا۔ تیسرا[۳] با ایمان شخص جس نے اچھے اور برے ہر طرح کے کام کئے اور دشمن کے مقابلہ میں آکر اللہ کی تصدیق کی اور قتل ہوگیا۔ چوتھا[۴] وہ مسلمان جس نے اپنے نفس پر اسراف کیا اور دشمن سے لڑ کر اللہ کی تصدیق کی اور مارا گیا۔ حضرت مجاہد نے کہا کہ دو شخص ایک مجمع جو بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے آکر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو مال دے گا تو ہم صدقہ کریں گے لیکن انھوں نے بخالت کی۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۲؎ وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا

۱؎ بخل کیا اور حسب وعدہ صدقہ نہ دیا ۲؎ شان نزول

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿ (یعنی بعض ان میں سے وہ ہیں کہ انھوں نے قول کیا اللہ سے کہ اگر وہ دے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں لیکن جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو انھوں نے بخل کیا اور پلٹ گئے منھ موڑ کر پھر ڈالدیا نفاق ان کے دل میں اس دن تک کہ اس سے ملیں کیونکہ انھوں نے وعدہ خلافی کی اللہ سے اور جھوٹ بولتے تھے) اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے عزم کو عہد قرار دیا۔ اور اس کے خلاف کرنیکو کذب کہا اور اس کے پورا کرنے کو صدق یہ صدق تیسرے صدق کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے کیونکہ نفس عزم کے لئے مستعد ہو جاتا ہے لیکن جس وقت دسترس حاصل ہو جاتی ہے اور اسباب مہیا ہوتے ہیں تو بوجہ غلبۂ خواہش کے وفا گراں گزرتی ہے اور پھر آدمی پہلو تہی کر جاتا ہے اس لئے حضرت عمر رضؓ نے اس وقت استثنا فرمایا جب انھوں نے کہا کہ اگر مجھ کو گردن مارنے کے لئے پیش کردیں تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ تر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں فرمانروا بنوں ایسی قوم کا جس میں ابوبکر رضؓ موجود ہوں۔ مگر یہ کہ میرا نفس مجھ کو قتل ہونے کے وقت کوئی ایسی بات نہ سمجھا دے جو اسوقت میرے دل میں نہیں ہے کیونکہ میں اپنے نفس سے بے خطر نہیں ہوں ممکن ہے کہ اس پر قتل گراں گزرے اور وہ اپنے ارادہ سے پلٹ جائے۔ اس سے انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عزم کا ایفا کرنا نفس پر بہت گراں ہوتا ہے۔

ابوسعید خراز کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ صدق کس کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وفائے عہد کو ان دونوں نے کہا کہ تم نے درست کہا اور پھر وہ آسمان پر چڑھ گئے۔

اعمال کا صدق

پانچواں صدق اعمال میں ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کوشش کرے کہ اس کے ظاہری اعمال سے کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جس سے وہ باطن میں موصوف نہ ہو۔ اس طرح پر نہیں کہ وہ

اس کام کو چھوڑ دے بلکہ اپنا باطن ایسا بنا لے جس سے اس کے ظاہر کی تصدیق ہو اور یہ بات اس سے جداگانہ ہے۔ جو ترک ریا کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کیوں کہ ریاکار تو اسی کی نیت رکھتا ہے۔

بعض نمازی اپنی نماز میں خشوع[1] کی صورت بنا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا ارادہ غیروں کے دکھلانے کا نہیں ہوتا۔ مگر ان کا دل نماز سے غافل ہوتا ہے۔ اب جو شخص اس کو دیکھے گا سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ حالاں کہ باطن میں وہ کسی بازار میں اپنی کسی خواہش کے سامنے کھڑا ہے۔ تو اس قسم کے اعمال زبانِ حال سے اس کی باطنی حالت کو ظاہر کرتے ہیں جس میں وہ کاذب ہے۔ اس سے اعمال میں صدق کی بازپرس ہوگی۔

اسی طرح آدمی کبھی متانت اور وقار کے ساتھ چلتا ہے۔ حالاں کہ اس کے باطن میں وقار کی صفت نہیں ہوتی تو یہ شخص اپنے اس عمل میں سچا نہ قرار پائے گا اگرچہ اس کی توجہ خلق کی طرف نہ ہو اور وہ ان کو دکھلانا نہ چاہتا ہو اور اس سے نجات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ظاہر اور باطن یکساں نہ ہو یعنی یہ کہ باطنی خوبی ظاہر کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔ اسی خوف سے بعض لوگوں نے ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کو نیک نہ سمجھنے لگیں کیونکہ ظاہری حال سے جب باطنی خوبی ظاہر ہوگی تو وہ کاذب ٹھیریں گے۔

الغرض ظاہر کی مخالفت باطن سے اگر عمداً ہوگی تو اس کا نام ریاکاری ہے اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے اور اگر بلا قصد ہوگی تو اس سے صداقت فوت ہو جائیگی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا۔ اور میرے ظاہر کو بھی اچھا کر۔ یزید بن الحارثؒ نے کہا کہ اگر انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو عدل ہے اور اگر اس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو تو

[1] عجز و فروتنی

افضل ہے اور جو ظاہر باطن سے بہتر ہو تو ستم ہے۔ اور انھوں نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اگر مومن کا ظاہر اور باطن یکساں ہوگا — تو ہوگی مدح اور دونوں جہاں میں پائیگا عزت
اگر باطن برا ہو اور ظاہر اس کا ہو اچھا — بجز رنج اس کو کچھ حاصل نہیں برباد ہے محنت
کھری ہو اشرفی تو پھر وہ ہاتھوں ہاتھ چلتی ہے — اگر کھوٹی ہوئی سب لوگ اس سے کرتے ہیں نفرت

عطیہ بن عبد الغفار نے کہا کہ جب بندہ کا ظاہر باطن سے موافق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فرشتوں کے درمیان فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے۔ معاویہ بن قرّہ نے کہا کہ مجھے ایسا آدمی کوئی بتلا دے جو رات کو روتا ہو اور دن کو ہنستا ہو۔ عبد الواحد بن زید کہتے ہیں کہ حسنؒ جب کسی کام کا حکم دیتے تو خود سب سے زیادہ اس پر عمل کرتے اور جب کسی کام سے منع کرتے تو سب سے زیادہ خود اس سے باز رہتے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کے ظاہر و باطن کو مطابق نہیں پایا۔ ابو عبد الرحمٰن زاہد کہتے تھے کہ اے اللہ میں نے اپنے اور مخلوق کے درمیان امانت داری برتی ہے اور اپنے اور تیرے درمیان خیانت کاری کی ہے یہ کہہ کر پھر وہ رونے لگے۔ ابو یعقوب نہرجوری کہتے ہیں کہ صدق یہ ہے کہ حق کی موافقت ظاہر و باطن میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کا یکساں ہونا صدق کی ایک قسم ہے۔

صدق دین کے معاملہ میں

چھٹا صدق جو درجہ کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور کمیاب ہے وہ صدق ہے جو دین کے امور میں ہوتا ہے جیسے کہ خوف و رجا، تعظیم و زہد، توکل و محبت وغیرہ میں صدق برتنا کیونکہ ان امور کے لئے ایک تو مبادی[1] ہوتے ہیں کہ جس وقت ان کا ظہور ہوتا ہے یہ الفاظ ان پر بولے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی غایت اور حقیقت ہوا کرتی ہے۔ راست باز

[1] کسی موضوع کے تحت جن چیزوں سے بحث کی جائے ان اس موضوع کے مبادی کہلاتے ہیں۔

صادق وہ ہے جو ان کی حقیقت تک پہنچ جائے۔ جب کوئی چیز غالب آتی ہے اور اس کی حقیقت درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے موصوف کا نام اس کی نسبت کر کے صادق رکھا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص لڑائی کا سچا ہے اور یہ خوف سچا ہے یا یہ اشتہا صادق ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا

(یعنی ایمان والے وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر پھر شبہ نہ کیا۔ اور جہاد کیا اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں وہی لوگ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور مال دے اس کی محبت پر رشتہ داروں کو۔ اور یتیموں کو۔ اور مسکینوں کو اور راہ کے مسافر کو۔ اور مانگنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں[۱] اور قایم رکھے نماز اور دے زکوٰۃ اور پورا کرنیوالے اپنے وعدہ کے جب وعدہ کریں اور صبر کرنیوالے سختی میں اور مصیبت میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ سچے ہیں۔

حضرت ابوذر رضؓ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے تو انھوں نے یہی آیت پڑھی اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ سے ایمان کی بابت سوال کیا گیا ہے تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ

---

[۱] غلام آزاد کرائے۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی بابت سوال کیا تھا تو آپ نے یہی آیت پڑھی تھی۔
ہم خوف کی ایک مثال لکھتے ہیں ہر ایک بندہ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے اندر اللہ کا ڈر ہے اُس پر خوف کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن یہ خوف صادق نہیں۔ یعنی حقیقت کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔ دیکھو جب کسی بادشاہ یا کسی ڈاکو کا خوف اس پر طاری ہوتا ہے تو اس کا رنگ کیسا زرد پڑ جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔ زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ خواب و خور دو بھر ہو جاتا ہے اور طبیعت ایسی پراگندہ ہو جاتی ہے کہ بال بچوں کے کام سے بھی جاتا رہتا ہے۔ اور کبھی وطن سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے اور آرام و راحت کو چھوڑ کر تکلیف اور مشقت اختیار کرتا ہے اور طرح طرح کے خطروں کو برداشت کرتا ہے اور یہ سب اسلئے کہ تکلیف سے بچے جس سے ڈرتا ہے پھر کیا بات ہے کہ وہ آتش جہنم سے ڈرتا تو ہے لیکن گناہ سرزد ہوتے وقت ان میں سے کوئی بات اس پر ظاہر نہیں ہوتی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں نے اس سے زیادہ تعجب انگیز کوئی شے نہیں دیکھی کہ دوزخ جیسی چیز سے بھاگنے والا یا جنت جیسی چیز کا طلب کرنیوالا خواب غفلت میں سو رہا ہو۔
پس ان امور میں حقیقت تک رسائی ہونا بہت ہی کمیاب ہے اور ان معاملات کی کوئی حد بھی نہیں کہ اس کی انتہا تک پہونچ سکیں۔ لیکن ہر ایک بندہ اپنی حسب حیثیت اس سے بہرہ ور ہوتا ہے کوئی کم کوئی زیادہ۔ جو زیادہ بہرہ اندوز ہوتا ہے وہ صادق کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تعظیم اور اس سے ڈرنے کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کو تمہاری اصلی شکل میں دیکھوں انھوں نے کہا کہ آپ دیکھنے کی تاب نہ لائیں گے۔ آپ نے کہا کہ نہیں مجھے دکھلاؤ۔ تب انھوں نے وعدہ کیا کہ بقیع میں چاندنی رات میں دکھلاؤں گا چنانچہ آنحضرت تشریف لے گئے تو دیکھا کہ انھوں نے اُفق یعنی آسمان کے چاروں گوشوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر صلی اللہ علیہ وسلم غش کھا کر گر پڑے جب ہوش آیا تو

دیکھا کہ جبریلؑ اپنی پہلی صورت میں آ گئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں یہ نہیں خیال کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی اس طرح کا ہو گا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا کہ اگر آپ اسرافیل کو دیکھیں تو کیا ہو کہ عرش اُن کے کندھے پر ہے اور اُن کے دونوں پاؤں سب سے نیچے والی زمین میں دھنسے ہوئے ہیں اور باوجود اس کے اللہ کی عظمت سے جب وہ سکڑتے ہیں تو پدی کے برابر ہو جاتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ حضرت اسرافیل پر کیسی عظمت و ہیبت الٰہی چھا جاتی ہے کہ وہ اس حد پر پہنچ جاتے ہیں دوسرے تمام فرشتے ایسے نہیں کیونکہ معرفت الٰہی میں متفاوت[1] ہیں۔ اسی کو صدق فی التعظیم کہتے ہیں۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج جبریلؑ کو میں نے ملاء اعلیٰ میں اللہ کے خوف سے ایسا دیکھا جیسے وہ پرانی گلیم جو اونٹ کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔ اسی طرح صحابہ پر بھی خوف طاری رہتا تھا لیکن ان کا درجہ خوف الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ تھا اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تم ایمان کی حقیقت تک کبھی نہ پہنچو گے۔ جب تک دین الٰہی میں تمام لوگوں کو احمق نہ جانو گے۔ مطرفؒ[2] نے کہا کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے اور اللہ کے معاملہ میں احمق نہ ہو۔ مگر یہ کہ کوئی حماقت نسبتہً کسی سے کمتر ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ لوگوں کو اللہ کے مقابل میں مثل اونٹ کے نہ خیال کرے۔ اور پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور اس کو سب سے حقیر تر سمجھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ شخص جو ان تمام مقامات میں صادق ہو۔ بہت ہی کمیاب ہے۔ پھر صدق کے مرتب کی کوئی حد نہیں کبھی بندہ ایک امر میں صادق ہوتا ہے دوسرے میں نہیں اگر وہ تمام امور میں صادق ہو تو حقیقت میں صدیق کہلائے گا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا کہ میں تین چیز دل میں پختہ ہوں۔ اور ان کے

[1] مختلف [2] ایک صاحب حال بزرگ گزرے ہیں

ماسوا دیگر امور میں خام ہوں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ میں جب سے اسلام لایا ہوں کبھی
میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں نفس سے باتیں کی ہوں یہاں تک کہ اس سے فارغ
نہ ہو جاؤں دوسرے یہ کہ جنازہ کے ساتھ گیا۔ جب تک اس کے دفن سے فارغ نہ
ہوا اس وقت دل میں بجز اس کے اور کوئی خیال نہیں آیا کہ اس سے کیا سوال وجواب ہوگا
تیسری یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات میں نے سنی تو اس پر یقین
کیا کہ یہ حق ہے حضرت ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں سوائے انبیاء علیہم
السلام کے اور کسی میں مجتمع نہیں ہوتیں کیونکہ ان امور میں یہ صداقت کا درجہ ہے۔
بہت بڑے بڑے صحابہ بھی نماز پڑھتے تھے اور جنازوں کے ساتھ جاتے تھے لیکن
وہ اس درجہ پر نہیں پہونچے تھے۔ یہاں تک صدق کے مراتب اور اس کے معانی
کا بیان تھا۔ صدق کی حقیقت کے متعلق جو مشائخ کے اقوال ہیں ان میں عام طور
پر ان معانی میں سے خال خال پائے جاتے ہیں۔ ہاں ابوبکر وراق نے لکھا ہے کہ
صدق التوحید عام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ؕ" (یعنی جو لوگ اللہ پر اور
اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں)۔ اور صدق الطاعۃ اہل علم
اور پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اور صدق المعرفت اولیاء اللہ کے لئے جو زمین کے
اوتادلہ ہیں۔ یہ پھر پھرا کر اسی ضمن میں آجاتے ہیں جو پچھلے صدق کی بابت ہم کہہ آئے
ہیں۔ لیکن انھوں نے تو ان چیزوں کے اقسام بیان کئے ہیں جن میں صدق
پایا جاتا ہے اور وہ بھی پوری نہیں ہیں حضرت امام جعفر نے کہا کہ صدق مجاہدہ کا
نام ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دے۔ جیسے اس نے

لہ جمع وتد بمعنی میخ۔ فقراء کے چار درجے ہیں۔ اولیاء قطب۔ ابدال۔ اوتاد [illegible]

تجھ پر کسی کو ترجیح نہیں دی چنانچہ اس نے فرمایا ہے "هُوَ اجْتَبٰاكُمْ" یعنی اس نے تم کو منتخب کیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی بھیجی کہ جب میں کسی بندہ سے محبت کرتا ہوں تو ایسی بلاؤں میں ڈال کر آزمائش کرتا ہوں جن کے سامنے پہاڑ بھی نہ ٹھیر سکیں تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کہاں تک صادق ہے پھر جب اس کو صابر پاتا ہوں تو اپنا دلی اور محبوب بناتا ہوں اور اگر دیکھتا ہوں کہ وہ بے قرار ہو کر میری شکایت میری مخلوق کے آگے کرتا ہے تو اس کو رسوا کرتا ہوں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انسان اپنی مصیبتوں اور طاعتوں دونوں کو چھپائے اور مخلوق کو ان پر مطلع کرنا پسند نہ کرے۔